ماہنامہ

ملّیّۃ

فیصل آباد
پاکستان

ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ بمطابق مارچ، اپریل 2010ء

www.milliafsd.com

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

دنیائے فانی

(سید محمود علی کاظمی مرحوم والد حضرت مولانا مسعود علی آزادؒ)

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں

نہ رہا سکندرِ ذی حشم، نہ رہا وہ دارا ہی اور جَم
جو بنایا گیا تھا یہاں اِرم، تہہِ خاک اس کا نشاں نہیں

نہ سخی رہے نہ غنی رہے، نہ نبی رہے نہ ولی رہے
چلے جا رہے ہیں کشاں کشاں کوئی قید پیر و جواں نہیں

یہ ہے موت ایک عجیب سِرّ کہ صفائے عقل ہے واں کدِر
یہ ہے تیرے وقت کی منتظر، تجھے اس کا وہم و گماں نہیں

یہ جھپٹ کے تجھ پہ جب آئے گی تو بنائے کچھ نہ بن آئے گی
یہ عزیز جاں یونہی جائے گی کہ قضا سا پیکِ رواں نہیں

مگر اک حیات، حیات ہے وہی جس میں سب کی نجات ہے
یہی اک سننے کی بات ہے اسی بات کا تو دھیاں نہیں

جو نبی کے عشق کا خار ہے، وہ گلوں کا تاجِ وقار ہے
یہی ایک ایسی بہار ہے کبھی جس میں دورِ خزاں نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ
مِلّیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ جلد نمبر 6
بمطابق
مارچ، اپریل 2010ء شمارہ نمبر 4

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فہرست مضامین

فی شمارہ 20 روپے　پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ مِلّیہ
جامعہ مِلّیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی　مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

كلمة الحبيب

حضرت صوفی آصف علی زرداری دامت برکاتہم کا ماڈرن صوفیوں سے خطاب

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین الصطفیٰ۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے منتخب صدر جناب آصف علی زرداری صاحب نے کچھ عرصہ قبل بادشاہی کا پروگرام بنایا تھا، جس میں انہوں نے اعلان فرمایا تھا کہ وہ لاہور میں دربار لگایا کریں گے۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ بادشاہی کے لئے بڑے حوصلے اور دل جگرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے کرّ وفر کو قائم رکھنے کے لئے بڑی زیرک سیاست کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے مال واسباب، جاہ و حشم قائم رکھنا دل گُردے کا کام ہے۔ ان کے دربار لگانے کے اعلان نے سب کو ہیجان میں مبتلا کر دیا، یہاں تک کہ عدالتیں بھی لرز گئیں، اس لئے کہ جب شاہی دربار لگیں گے تو عدالتوں کی کیا وقت باقی رہ جاتی ہے، چنانچہ عدالتوں نے ان کے سوئٹزر لینڈ کے کیس کھولنے کے نوٹس جاری کر دیئے۔ اس پر موصوف نے ابتداء میں تو کچھ جذباتی تقریریں فرمائیں مگر حالات کا اندازہ کر کے انہوں نے بادشاہی کی بجائے فقیری کی لائن اپنانے کا پروگرام بنالیا۔ اس لئے کہ بادشاہی میں کھونے کے لئے بہت کچھ ہوتا ہے مگر فقیری میں کھونے کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ فقیری میں ایک سلسلہ تصوف کا ہے، اس لئے انہوں نے صوفی بننے کی راہ اپنائی اور ایک صوفی کانفرنس کر ڈالی، بلکہ اس کا افتتاح بھی اپنے صوفیانہ خطاب سے فرمایا۔

جوں جوں زمانہ ماڈرن اور تعلیم یافتہ ہوتا جارہا ہے اسی طرح ہر شعبے میں ماڈرائنیشن ہوتی جارہی ہے۔ عموماً صوفی کا تصور ایک تارک الدنیا کے طور پر لیا جاتا ہے۔ جس میں لباس سے لے کر حال تک دنیا سے بے رغبتی ہی پائی جاتی ہے۔ ان کو دنیا کا ہوش نہیں ہوتا، نہ اپنے لباس کی فکر نہ خوراک کی فکر نہ ہی عہدو جاہ کی فکر۔ اگر فکر ہے تو اللہ کی رضا کی اور دنیا کے لوگوں کی فلاح کی۔ اس کے لئے وہ سب کچھ تج دیتے ہیں۔ دناوی معملات میں ڑائی جھگڑے سے دور رہتے ہیں۔ مگر جب اللہ کے دین پر

کوئی آنچ آجانے کا خدشہ ہو تو وہ تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں۔ حکمرانی سے دور بھاگتے ہیں اگر ان کے ذمہ داری لگا دی جائے تو وہ امیر ہونے کی بجائے غریب ہو جاتے ہیں۔ دو وقت کا کھانا بھی وہ صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتے ہیں، اس میں بھی اتنی احتیاط کہ پیٹ بھر کر نہیں۔ ہر وقت آخرت کی گرفت کا ڈر لگا رہتا ہے۔

جناب رسول اللہ سب سے بڑے صوفی تھے، ان کے بعد ان کے جانشین صحابہؓ نے تصوف کو ایک ایسے سلسلے میں پرو دیا کہ ان سے تصوف کے سلاسل پھوٹ پڑے۔ جس آج تک پوری امت سیراب ہو رہی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ایک سلسلہ نقشبندیہ اور حضرت علیؓ سے تین سلسلے قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ تصوف کے چلے آرہے ہیں۔ ان سب میں ایک ہی فکر کارفرما ہے کہ اللہ کو راضی کیسے رکھنا ہے اور امت کو خدمت کے ذریعہ کیسے پروان چڑھانا ہے۔

عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تارک الدنیا ہو کر حاکم بھی تھے اور خادم بھی تھے۔ رعایا میں سے کوئی بھی ان سے شکوہ کناں نہیں تھا۔ رات کی خدا کا ذکر اور دن کو رعایا کی فکر۔ اسی طرح بعد میں آنے والے صوفیوں نے بھی اسی چیز کو اپنایا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان صوفیوں کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ بڑے بڑے ذی شان حکم ان کے قدموں میں بیٹھنے کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتے تھے۔ علامہ اقبال نے انہی لوگون کے متعلق کہا ہے

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے عقیدت ہے تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مگر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تصوف میں بھی کچھ بگاڑ آنے لگا۔ کچھ تو کام کے صوفی تھے، جو کہ اپنی سفلی خواہشات پوری کرنے کے لئے صوفیوں کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ جنہوں نے آج تک تصوف کی اصل روح کو بچا رکھا ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اب چونکہ زمانہ ماڈرن ہو چکا ہے، جس طرح اسلام کو ماڈرن بنا کر پیش کرنے کا دور چل چکا ہے اسی طرح اسلام سے منسلک ہر سلسلے کو ماڈرن کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ جاننے والے یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اصل صوفی وہی ہے جو کہ اسلام کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دے۔ ان کے سامنے جناب رسول اللہ سے لے کر آج تک ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ ماضی قریب میں تحریک آزادیٔ ہند

میں صوفیا کی قربانیوں ہی نے ہندوستان کو آزاد کرایا۔شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ سے شروع ہو جائیں اور سید احمد بریلوی شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، اور حضرات کے متوسلین صوفی ہی تو تھے، ان لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے۔شہید ہوئے جیلیں کاٹیں، ماریں کھائیں۔

ماڈرن قوموں کے نزدیک یہ صوفی ان کے مجرم تھے، اس لئے انہوں نے اپنے تابع فرمان صوفی بھی پیدا کئے۔اگر چہ ان تابع فرمان صوفیوں نے اپنی وضع قطع نہیں بدلی اس لئے اب ایسے صوفیوں کی تلاش ہے جو کہ وضع قطع سے بھی ماڈرن ہوں۔

کچھ ایسے صوفیا بھی تھے جنھوں نے اصل تصوف کا اپنایا مگر ان کی اولادوں میں انگریز ایسے گدّی نشین اور مخادیم کی ایسی کھیپ تیار کر چکا ہے کہ جو وضع و قطع میں اس کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ہمارے ملک کے وزیراعظم، وزیرخارجہ اسی طرح مختلف حکومتی عہدوں پر بیٹھے لوگ ان کی بھرپور نمائندگی کر رہے ہیں۔یہ ہاشمی، قریشی، گیلانی، پگاڑے، نظامی، سلطانی، سب اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔اور ماڈرن دنیا ان کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔وراثتی گدّی نشینی نے وہ کام دکھایا کہ ماڈرن طبقہ جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تصوف میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مرید پہلے فنا فی الشیخ ہو، پھر فنا فی الرسول ہو، پھر اُسے فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔اسی لئے مرید فنا فی الشیخ کا مقام حاصل کرنے کے لئے سب سے اپنے شیخ کا حلیہ اپناتے ہیں۔اپنے شیخ جیسا چہرہ بناتے ہیں، پھر لباس، پھر گفتار کا سلیقہ، پھر اخلاق، پھر بود و باش۔کیونکہ شیخ نے روایات کے تواتر و توارث سے اپنی خدّ و خال وضع کی ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کے لئے صحبت شیخ کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

ہمارے صوفی صدر صاحب نے صوفی کانفرنس کا افتتاح فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ موصوف شیخ الصوفیا ہوئے۔صوفی مؤمن ہوتا ہے، مگر اس کانفرنس میں جن صوفیا کو متعارف کرایا گیا ہے وہ منہ مُن صوفی ہیں۔اس میں جناب شیخ الصوفیاء نے جو چہرہ مہرہ بنایا اور لباس اپنایا وہی تمام مریدین صوفیاء کا تھا۔اس میں گدی نشین صوفی وزیراعظم اور گدی نشین صوفی وزیرخارجہ بہ نفس نفیس موجود تھے۔نیز اس میں ہر مسلک و مذہب کے صوفیا موجود تھے۔جن میں سیکولر، سوشلسٹ، کیمونسٹ، اور

دھریہ قسم کے صوفیاء بھی تھے۔ وہ صرف پاکستان سے ہی تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ مختلف اسلامی ممالک سے ان کا تعلق تھا۔ تصوف کا یہ پیغام عالمی سطح کا تھا، جس کو میڈیا میں بھرپور کوریج دی گئی۔

ایک کیمونسٹ صوفی صاحب نے اپنے ایک کالم میں اس صوفی کانفرنس سے فراغت کے بعد اس کانفرنس کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ہماری تاریخ میں جو مجاہد صوفیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کو تاریخ سے نکال دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ایسے صوفیوں کے احوال پڑھ کر مجاہد نہ بن جائیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے محمود غزنویؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، اور محمد بن قاسم کو بھی صوفیوں میں شامل فرمایا ہے۔ نیز تمام ایسے صوفیاء جو کہ جہاد کا فلسفہ رکھتے تھے ان کو خوارج میں شمار فرمایا ہے۔

مختصر بات یہ کہ اب سوٹڈ بوٹڈ صوفیوں کا دور آرہا ہے جس میں تھری پیس سوٹ میں ملبوس صوفیان کرام مسلم امت کو ماڈرن طریقے سے دین اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات سے روشناس کرایا کریں گے۔

ماہ ربیع الاوّل آگ، بارود، لہو کی زد میں

اس بار ربیع الاوّل کا مہینہ آگ، بارود، لہو کی بارش، کٹے پھٹے جسموں، ہلاکت خیز مناظر دیکھتے ہوئے گذرا۔ جبکہ یہ مہینہ پوری امت کے نزدیک اہمیت کا حامل ہے۔ اس مہینہ کو دینی بہار کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ مگر اس سال یہ مہینہ بہار کی بجائے خزاں سے بھی بدتر ثابت ہوا۔ کراچی میں درجن بھر کے قریب علماء کو شہید کر دیا گیا، لاہور میں ساٹھ کے قریب انسان لقمۂ اجل بن گئے، اور اس مہینہ میں منظّم طریقہ سے فرقہ وارانہ فساد کرانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

ربیع الاوّل کا مہینہ ہر سال آتا ہے، اس میں وقتی جوش کی بنا پر رسول اکرم ﷺ کا یوم پیدائش منانے کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ لوگ آگے ہوتے ہیں جن کو سنت کا علم نہیں اور نہ ہی یہ لوگ سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مگر وقتی طور پر جلسہ جلوس منعقد کر کے اپنے آپ کو عاشق رسول ہونے کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد سارا سال ان کا عشق آرام کرتا ہے۔ اس میں اہل علم و عمل کو اگرچہ خاصا اختلاف ہے مگر وقتی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل علم و عمل اس سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ اس لئے ربیع الاوّل کے مہینے میں شاذونادر ہی فساد ہوتا ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے کچھ لوگ ایک مخصوص شکل و شباہت اختیار کر کے قوم کو لڑائی جھگڑے اور فتنہ و فساد میں الجھانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ ہمارے خطے کی صورت حال پر نظر رکھتے ہوئے اس میں درپردہ کچھ عالمی گماشتے ان کی مدد کر رہے ہیں۔ پہلے تو ان لوگوں کو وہ اسلام قبول نہیں جو کہ مکہ مدینہ سے آیا ہے۔ اور پھر محض رسومات کو

فرضیت کا درجہ دیکر اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے والے کو گستاخ اور دائرہ اسلا سے خارج قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ ایسے تمام مکاتب فکر کے لوگ جو کہ بارہ ربیع الاوّل کے ہنگاموں کو بدعت قرار دیتے ہیں وہ بھی اس مہینے میں سیرۃ النبی کے جلسے ، یا حمد و نعت کی مجالس منعقد کر کے جناب رسول اکرم ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ، اور تعلیمات نبوی کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاوّل کا مہینہ پہلے زمانے میں بارہ وفات کا مہینہ کہلاتا تھا۔ بعد میں وفات کے لفظ کو حذف کر کے میلاد کا نام شامل کر دیا گیا۔ پہلے لوگ بارہ ربیع الاوّل کو میلے، ٹھیلے لگا کر ، جلوس نکال کر ، بھنگڑے ڈال کر گھروں میں جا کر سو جاتے تھے۔ مگر اب کچھ عرصہ سے ایسی مساجد جن کے منتظمین اس دن ایسے حرکات کو بدعت قرار دیتے آئے ہیں ، باقاعدہ میلاد کے یہ جلوس ان مساجد کے سامنے سے گزارے جاتے ہیں اور ان مساجد کے سامنے کھڑے ہو کر باقاعدہ نعرہ بازی کرتے ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس پر تو تکار اور لڑائی جھگڑے کی فضاء بنتی ہے۔ پہلے تو یہ کام ہلکا پھلکا ہوتا تھا مگر اس سال باقاعدہ منظّم طریقہ سے کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ یہ کام کون کر رہا ہے۔ اس پر آجکل میڈیا زور دے رہا ہے کہ یہ کام ایسی فرقہ واریت پھیلانے والی جماعتیں کر رہی ہیں جن پر باقاعدہ پابندی لگائی گئی ہے۔ اور ہمارے وزیر داخلہ فوراً اس پر نہ صرف صاد کر دیتے ہیں بلکہ بڑھک مار کر ان تنظیموں کو وارننگ بھی دیتے ہیں۔

ہم فرقہ واریت پھیلانے اور ایسے کام کرنے والی تنظیموں کے حق میں نہیں ہیں ، ہمارا موقف یہ ہے کہ اپنے موقف پر قائم رہ کر دوسرے کے موقف کی توہین نہ کرو۔

فیصل آباد میں جس طرح ایک مدرسہ جامعہ قاسمیہ پر حملہ کیا گیا اور اس کے مہتمم مولانا صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی کے گھر کو جلا دیا گیا ، جس میں گھر کا سارا سامان جل گیا ، اس کے ساتھ قرآن و حدیث اور دیگر کئی دینی کتابیں بھی ساتھ جلا دی گئیں ، نیز خطیب العصر حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کی قبر کی بے حرمتی کی گئی ، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کون لوگ ملک میں فرقہ واریت کو فروغ دینے میں پیش پیش ہیں۔ بلکہ حکومتی سطح پر بھی اس کی پشت پناہی کی جا رہی ہے۔ قبروں کے احترام کے نام پر سادہ لوح دنیا سے رقم وصول کرنے والے آج کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی اگر بیخ کُنی نہ کی گئی تو پھر حالات قابو سے باہر ہو سکتے ہیں۔ یہ تو متاثرہ حضرات کا حوصلہ ہے کہ انہوں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ ایسے شرپسند عناصر جو کہ جلسہ و جلوس کی آڑ لے کر ملک میں فرقہ واریت پھیلا کر اس ملک کی جڑوں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں ان پر باقاعدہ پابندی لگائے

۔جو کچھ اس سلسلے میں نقصان ہو چکا ہے اس کا مداویٰ کیا جائے۔

حضرت مولانا حافظ محمد اکرمؒ کا سانحۂ ارتحال

حافظ محمد اکرمؒ صاحب کا انتقال ہوگیا۔یہ خبر سن کر میرے دل پر بجلی سی گر گئی۔ایک دم میں گم ،سم ہو کر رہ گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ایک دن پہلے ہی اسلام آباد میں ان سے میری ملاقات ہوئی تھی ،اورانہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اگلے ہفتے اپنے بچوں کے ہاں ان کے ہاں آؤں۔مگر دوسرے دن ۱۱/مارچ ۲۰۱۰ء کی صبح ان کے انتقال کی خبر مل گئی۔میرے ساتھ ان کا کیا تعلق تھا یا میرا اُن کے ساتھ کیا تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ مجھ میں ان کے متعلق کچھ لکھنے کی سکت نہیں۔ان کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ان پر پھر کبھی تفصیلاً لکھوں گا۔صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہوگا کہ وہ میرے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کے چہیتے تھے۔اکثر لوگ ان کو مولانا انیس الرحمٰن کا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔حضرت والد صاحبؒ کو ملنے والے تمام احباب ان کو جانتے تھے یا ہیں۔ہمارے مدرسے کے بانی ارکان میں سے تھے،مدرسے کی مجلس شوریٰ کے بنیادی ممبر تھے۔دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔اوران کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی ضیاء الحسینؒ کی رحلت

خاندان علماء لدھیانہ کے فرزند حضرت مولانا مفتی ضیاء الحسین لدھیانویؒ گذشتہ دنوں مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کے فرزند تھے۔جن کے والد حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دینے میں پہل کی تھی۔دارلعلوم دیو بند کے فاضل تھے۔وفاق المدارس کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ،شیخ طریقت حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ خانقاہ سراجیہ کندیاں،حضرت مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم مہتمم جامعہ خیر المدارس ،ملتان ،ان کے ہم سبق ساتھیوں میں سے تھے۔عمر کے آخری دور میں تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوگئے تھے،اس سلسلے میں دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغ دین کے لئے اسفار بھی کئے۔۸۴/سال سے زیادہ عمر پائی۔جنت البقیع میں دفن ہوئے۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ان کے تین بیٹے ہیں،جن میں حافظ محمد شاہد صاحب جامع مسجد حقانی اور مدرسہ حقانی چلارہے ہیں،ایک بیٹے احسن صاحب جو کہ جاپان میں ہوتے ہیں وہ تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سے تاحیات دین کی خدمت لیتا رہے۔

لندن (برطانیہ) سے ایک اہم خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

السلام علیکم: آپ کے میگزین ’’ملیہ‘‘ میں یہ پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ مولانا عبدالجلیلؒ کا انتقال ہوگیا۔ یہ میگزین دراصل میرے بیٹے حسن محمود کاظمی کے نام آتا ہے، اوراس کا مستقل مطالعہ میری اہلیہ انتہائی پابندی سے کرتی تھیں، مگر علالت کی وجہ سے اب نہیں پڑھ سکتیں ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کی صحت کے لئے خصوصی دعاء کروادیں، مشکور ہونگا۔

دراصل حضرت اقدس رائے پوریؒ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف مجھے میرے مرحوم بھائی جناب مولانا مسعودعلی صاحب جن کولوگ آزادؔ صاحب کے نام سے جانتے تھے، اُن کی وجہ سے ہوا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی شفقت اورمحبت حاصل کرنے والوں میں سے آزاد صاحب مرحوم کوایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت رائے پوریؒ نے ان کوامامت ایسے کام کی ذمہ داری سونپی تھی جوانہوں نے آخری وقت تک ادا کی۔

لاہور میں حضرت رائے پوریؒ کا قیام جیل روڈ پر واقع کوٹھی میں ہوا کرتا تھا، یہ کوٹھی پنجاب کے ایک وزیرعبدالحمید کی تھی۔ ان کے بیٹے کا نام عبدالوحید تھا، میں نے ان دنوں PIA میں ملازمت شروع کی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب لاہور میں ہوائی اڈہ (WALTON AIRPORT) تھا۔ میں اکثر شام کوڈیوٹی ختم کرکے حضرت اقدس کی مجلس میں حاضری دیتا تھا۔ آپکو جب میرے آنے کا علم ہوتا تو مجھے اپنے نزدیک بیٹھ جانے کو کہتے تھے۔ انتہائی نورانی چہرہ اوراس پرہلکی سی مسکراہٹ تھی، ان کوعلم تھا کہ میں نے PIA میں ملازمت کی ہے۔ آپ ہوائی جہازوں کے اُڑنے اوران کے چلانے والوں کے متعلق مختلف سوالات کرتے تھےاورساتھ ساتھ مسکراتے رہتے تھے۔

میں اس وقت اپنی عمرکے اس لااُبالی دور میں تھا جہاں مجھے اس چیز کا بالکل احساس نہ تھا کہ میں کس ہستی سے محو گفتگو ہوں۔ جب کہ اس مجلس میں بڑے بڑے جید علماء کرام اورروٴسائے شہرادب کے ساتھ بیٹھے ہم دونوں کی گفتگو خاموشی سے سنتے رہتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے اسی مجلس میں بھائی عبدالوہاب اورسلطان فونڈری کے بھائی اکرم اور بھائی افضل صاحب بھی ہوا کرتے تھی۔ حضرت اقدسؒ کے کئی خدام تھی مگر بھائی عبدالمنان صاحب کو

آپ کی خدمت میں زیادہ مصروف پایا۔ آپ کے ایک بھانجے بھی ہوا کرتے تھے، وہ بہت ہی خاموش طبع انسان تھے، ان کا نام بالکل یاد نہیں رہا۔

میری یہ بدقسمتی ہے کہ اس جگہ پر ہوتے ہوئے بھی مجھے حضرت مولانا انیس الرحمٰنؒ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ میرے کان میں آپ کا اسم گرامی بالکل اس طرح گونج رہا ہے جیسے میں اس کوٹھی میں بیٹھا ہوں۔ غالبا آپ کے والد مرحوم انتہائی محبت والے انسان تھے، اور ان کی اس وقت بہت ڈیمانڈ ہوتی تھی ہر شخص چاہتا تھا وہ کچھ وقت ان کے ساتھ گذارے۔ اور جب حضرت اقدس رائے پوریؒ آپ سے ملنا چاہتے تھے تو اکثر اوقات کافی بلند آواز کے ساتھ آپ کا نام پکارا جاتا تھا کہ حضرت رائے پوریؒ آپ کو بلا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ آواز ابھی تک مجھے یاد ہے مگر افسوس میں خود ملاقات نہ کرسکا۔

وہ حضرات بہت خوش نصیب تھے جن کو حضرت رائے پوری کی مجلس میں روزانہ حاضری دینے کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تھی۔ مجھ جیسا ناکارہ انسان جس کو حضرت اقدسؒ کی قربت نصیب ہوئی اور آزاد صاحب ایسا بھائی اللہ تعالیٰ نے عطاء کیا، کچھ بھی حاصل نہ کرسکا۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کا صد شکر ہے کہ اس نے باوجودیکہ میری کوتاہیوں کے مجھے تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کی رحمتوں کے صدقہ میں آخرت کی نعمتوں کی بھیک مانگتا ہوں، پروردگار دعائیں قبول فرمائے (آمین)

حضرت اقدسؒ جیل روڈ کی کوٹھی سے منتقل ہوکر شملہ پہاڑی کے نزدیک ایک بہت بڑی کوٹھی میں آ گئے تھے۔ اس کوٹھی کی عجیب وغریب داستان ہے۔ حضرت کے ایک مرید حاجی متین صاحب کو جو ڈھاکہ رہتے تھے اُن کو یہ کوٹھی الاٹ ہوئی تھی یا خریدی تھی مگر اس پر قبضہ اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب جناب دولتانہ صاحب کی ہمشیرہ کا تھا۔ متین صاحب کورٹ کچہری کا چکر کاٹ کاٹ کر بھی کچھ حاصل نہ کر سکے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کوٹھی کا قبضہ دلا سکے۔ آخر میں متین صاحب نے حضرت اقدسؒ سے دعاء کروائی، اور دوسرے دن کوٹھی خالی ہوگئی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا مگر یہ حقیقت تھی اور اس طرح متین صاحب کو کوٹھی کا قبضہ ملا۔ یہ بہت کشادہ جگہ تھی اور اس میں بلا مبالغہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ روزانہ حاضری کے لئے آتے تھے۔ اور ایسا لگتا تھا کہ یہ کسی شادی کا گھر ہے۔ کیا شان تھی حضرت رائے پوریؒ کی۔

PIA میں ملازمت کی وجہ سے میرے تبادلوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور لاہور چھوٹ گیا۔ کبھی پنڈی، پشاور، کراچی اور آخر میں اکتوبر 1966ء میں لندن ٹرانسفر ہوگیا۔ اس دوران حضرت رائے

پوریؒ کا وصال ہوگیا اور 1973ء میں میرے بھائی آزاد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا تھا (اناللہ) میری آخری ملاقات 1971ء کے آخر حصہ میں ہوئی تھی۔ میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے مشکور ہوں اور خاص کر سلطان فونڈری کے بھائی افضل صاحب (جن کا بھی کچھ عرصہ ہوا انتقال ہوگیا) ان حضرات نے میرے مرحوم بھائی جان کی بہت خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطاء فرمائے (آمین)

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ میرے بھائی جان کا نام سید مسعود علی تھا مگر ان کو شعر و شاعری نے آزاد صاحب بنا دیا۔ بھائی جان کا وہ دور اس وقت کے مشہور شعراء جگر مرادآبادی، احسان دانش، مجروح سلطان پوری اور دیگر شعراء کے ساتھ گذرتا تھا۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ کی ایک نظر نے ان کی کایا پلٹ دی۔ لاہور میں ایک مرتبہ وہ جگر مرادآبادی، جو کہ ان دنوں آئے ہوئے تھے ملاقات کی اور غالباً ان کو بھی حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں آنے کی دعوت بھی دی۔ کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ جگر صاحب وہ جگر نہ رہے بلکہ وہ بھی آزاد صاحب کی طرح حضرت اقدس کی غلامی میں آگئے۔ کیا شان تھی حضرت اقدسؒ کی، اللہ تعالیٰ نے کیا چیز عطاء کی تھی جو بھی ان کی حاضری میں آیا وہ وہیں کا ہو کر رہ گیا۔

اکثر حضرت اقدسؒ آزاد صاحبؒ سے کچھ اشعار پڑھنے کی فرمائش کرتے تھے، جن کا اب دوسرا رنگ تھا۔ مجھے پورے تو یاد نہیں ہیں مگر کچھ اس طرح ہوتے تھے۔

ماسکو ، پیرس ، لندن کی فضاؤں میں نہ گھوم
تو نہ چمکے گا کبھی یثرب بطحیٰ کے بغیر

آزاد کی پہلی شاعری اور ہوتی تھی جن کے چند اشعار مجھے یاد ہیں۔

نہیں ہوتا مداوائے غم پنہاں نہیں ہوتا
بظاہر ہنس لیا جاتا ہے دل خنداں نہیں ہوتا

آزادؔ وہ ملے نہ حرم میں نہ دہر میں
پایا انہیں اسی دلِ خانہ خراب میں

اب میں اس خط کو ختم کر رہا ہوں، ورنہ یہ ختم نہ ہونے والوں میں سے ایک خط آپ تک پہنچا ہوگا۔ عرصہ چالیس سال سے اوپر اس دیارِ غیر میں رہتے ہوئے اپنی اردو بھی صحیح نہیں رہی۔ غلطیوں کی

معافی چاہتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا اور زندگی رہی تو آئندہ بھی کچھ نہ کچھ لکھتا رہوں گا۔

ہم سب کے لئے خاص کر میری اہلیہ والدہ حسن کی صحت کے لئے دعاء خصوصی کروا دینا، آجکل وہ ڈپریشن کی مریضہ ہیں۔

میرے والد صاحب سید محمود علی وارثی (مرحوم) شاعری نہیں کرتے تھے، کبھی کبھار حمد و نعت لکھنے کا شوق تھا۔ جس طرح آزاد صاحب مرحوم کا شعر و شاعری کا مجموعہ محفوظ نہیں رہا اسی طرح والد صاحب مرحوم کا کلام بھی محفوظ نہ رہا۔ البتہ ایک ان کی مشہور نعتیہ غزل رہ گئی تھی جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس کو اپنے کسی رسالے میں ضرور اشاعت کر دیں، مشکور ہونگا۔

والد صاحب مرحوم کا جو کچھ خزانہ علم تھا وہ پارٹیشن کے وقت ہندوستان میں ہی رہ گیا تھا، اس کے بعد پتہ نہیں کیا ہوا، اگر ممکن ہو سکے تو (دنیائے فانی) کی اپنی کسی اشاعت میں چھپوا دیجئے گا۔

جگر مراد آبادی مرحوم نے غالباً مری (کوہ مری) میں حضرت اقدسؒ سے بیعت کی تھی۔ میری آخری ملاقات لاہور میں آزاد صاحب مرحوم کے ساتھ ڈاکٹر خان کی کوٹھی میں ہوئی تھی۔ یہ کوٹھی پولیس اسٹیشن چیئرنگ کراس کے بالکل سامنے تھی، اب پتہ نہیں کون رہتا ہے۔

میں اس خط کو جگر صاحب مرحوم کی بہت مشہور غزل کے جو چند اشعار یاد رہ گئے ہیں اس کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں
پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانۂ فطرت سے لیکن
وہ رند نہیں ...... یا نہیں ...... وہ جام نہیں

یہ خط ایک ماہ سے تھوڑا تھوڑا لکھتا رہا ہوں، اب ختم کرتا ہوں۔ والسلام

مشکور کاظمی ......لندن۔ ۲۴رفروری ۲۰۱۰ء

جواب

محترم جناب مشکور کاظمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:

آپ کے خط سے آپ کا تعارف اور خیریت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ آپ نے پرانی یادیں تازہ کر دیں۔ میں کافی عرصہ سے برطانیہ آ رہا ہوں اور آپ کے بیٹے حسن کاظمی صاحب سے ہر سال ملاقات ہوتی ہے، مگر افسوس کہ آپ کی زیارت نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ تعارف نہیں ہوا تھا جو کہ اب آپ کے خط سے ہوا۔ اب کے اگر آنا ہوا تو انشاء اللہ آپ کی زیارت کی کوشش کروں گا۔

جہاں تک حضرت اقدس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کا ہمارے خاندان کے ساتھ تعلق ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ تقسیم ہند کے بعد فیصل آباد پاکستان (جو کہ اُس وقت لائل پور کہلاتا تھا) میں جب بھی تشریف لاتے تو ہمارے ہاں ہی مدرسہ میں قیام فرماتے۔ پہلے یہ ''مدرسہ والی مسجد مدرسہ تجوید القرآن کے نام سے موسوم تھا'' بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' رکھ دیا گیا۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ نے ہمارے ہاں دو رمضان المبارک بھی گذارے (۱۹۵۶ء۔ ۱۹۵۹ء) اس کے علاوہ بھی کئی بار کئی کئی مہینے قیام فرماتے رہے۔ یہاں پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا، ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان کے مختلف علاقوں سے لوگ اپنی روحانی تشنگی بجھانے کے لئے حاضری دیتے۔ حضرت اقدسؒ کی ایک نماز جنازہ اسی مدرسہ میں ہوئی تھی اور میرے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے پڑھائی تھی۔ حضرت اقدسؒ نے ہمارے مدرسہ میں دفن ہونے کی خواہش کا بھی اظہار کیا تھا، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت اقدسؒ کی سوانح عمری میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں پر ایک چھپر ہوتا تھا جس کے نیچے حضرت اقدسؒ کی چارپائی بچھی ہوتی تھی، مسجد میں بچے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ کئی دفعہ حضرت اقدسؒ نے مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی سے فرمایا کہ ''انیس مجھے یہاں ہی دفن کر دینا بچے قرآن پڑھا کریں گے اور میں قبر میں ان کی آواز سنا کرونگا''۔ حضرت اقدس تو یہاں دفن نہ ہو سکے مگر اس جگہ میرے والد مرحوم کی تدفین ہوگئی۔

مجھے سب کچھ یاد ہے، آپ کے برادر مکرم حضرت مولانا مسعود علی آزاد صاحب حضرت اقدسؒ کے امام ہوا کرتے تھے۔ حضرت اقدسؒ چونکہ بیمار اور کمزور تھے اس لئے جماعت میں جلدی کی

جاتی تھی ،یعنی قیام ورکوع وسجدہ میں طوالت نہیں ہوتی تھی۔ایک دفعہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تشریف لائے ،تو جب مولانا آزاد کی امامت میں حضرت اقدسؒ کے ساتھ نماز ادا کی تو نماز سے فراغت کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ہنستے ہوئے حضرت اقدس رائے پوریؒ سے عرض کیا کہ حضرت آج جو میں نے نماز پڑھی ہے ایسی میں نے پہلے نہیں پڑھی۔کیونکہ اس نماز میں کوئی شیطانی وسوسہ نہیں آیا۔ہوا یوں کہ جس تیزی کے ساتھ نماز کے ارکان ادا کئے گئے اس کی وجہ سے شیطان کو موقع ہی نہیں ملا کہ وہ وسوسہ ڈالے۔حضرت اقدسؒ اس پر مسکراتے رہے۔

مولانا مسعود علی آزاد کا چہرہ مبارک آج تک مجھے یاد ہے،لمبی گھنی داڑھی،سفید لباس،نماز عصر کے بعد حضرت اقدسؒ کی مجلس لگا کرتی تھی ،اس میں مولانا آزادؒ حضرت کے حکم پر کوئی نہ کوئی کتاب مجمع میں کھڑے ہو کر سناتے تھے۔مولانا آزاد کا ایک شعر مجھے یوں یاد ہے کہ اس شعر کی بحر میں میرے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک طویل غزل کہی تھی۔مولانا آزاد کا شعر یوں ہے۔

تیری خود سری نہیں آشنا ابھی گردشوں کے نظام سے
غمِ روزگار بدل نہ دے تیری صبح کو میری شام سے

اس پر میرے والد مرحوم نے یہ گرہ لگائی۔

میری خستگی پہ نہ ہنس کبھی ، مجھے اس خوشی پہ بھی خوف ہے
غمِ روزگار بدل نہ دے ، تیری صبح کو میری شام سے

پھر اس کے بعد ایک طویل غزل اسی بحر میں لکھی ، یہ غزل پھر کبھی شائع کی جائے گی۔آپ کے خط نے اسی قسم کی کئی یادیں زندہ کر دیں۔مگر اب آہِ سرد کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا۔

باقی آپ نے کچھ باتیں ایسی لکھی ہیں جو کہ ایک زمانہ گزر جانے کی وجہ ان کی ترتیب میں کچھ تبدیلی ہوگئی،اس سے آپ کی اصلاح تو مقصود نہیں ،صرف پڑھنے والوں کے لئے اس کی تصحیح ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) آپ نے حضرت اقدس رائے پوریؒ انتقال کا سن ۱۹۶۶ء کا زمانہ لکھا ہے،جبکہ حضرت اقدسؒ کا انتقال اگست ۱۹۶۲ء میں ہوا۔

(۲) آپ نے اپنے بھائی حضرت مولانا مسعود علی آزاد کا انتقال سن ۱۹۷۳ء لکھا ہے جبکہ ان کا انتقال اگست ۱۹۷۴ء میں سلطان فونڈری لاہور میں ہوا،نماز جنازہ حضرت مولانا سید حامد میاںؒ

نے شیر انوالہ باغ لاہور میں پڑھائی، میں بھی اس میں شریک تھا۔

(۳) جگر مرادآبادی کی بیعت کی جگہ آپ نے مری (کوہ مری) لکھی ہے جبکہ یہ ہمارے مدرسہ میں حضرت اقدسؒ سے بیعت ہوئے تھے۔

آپ نے اپنے والد کی یہ نظم (دنیائے فانی) کے عنوان سے لکھی ہے جس کا پہلا شعر یوں ہے۔

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں

ہم اس نظم کو شروع کے ٹائیٹل کی عقب میں شائع کر رہے ہیں۔اس کے متعلق بھی ایک تاریخی بات میرے ذہن میں ابھی تک محفوظ ہے۔

مجلس احرار اسلام ہند کے بانی و صدر، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ تھے، ان کے ساتھ حضرت اقدسؒ کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ان کا انتقال ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو صبح آٹھ بجے دہلی میں ہوا۔حضرت اقدس رائے پوریؒ اس وقت رائے پور میں تشریف فرما تھے۔حضرت اقدسؒ نے ۲ ستمبر کو تقریباً آٹھ بجے ہی اچانک آپ کے بھائی مولانا آزاد کو بلایا، خانقاہ میں خدام سے کہا کہ آزاد صاحب کو بلاؤ، جب مولانا آزاد صاحب آئے تو حضرت اقدسؒ نے فرمایا کے اپنے والد کی وہ نظم سناؤ جو انہوں نے موت پر لکھی ہے۔چنانچہ مولانا مسعود علی آزادؒ نے وہ نظم سنانی شروع کی، تو حضرت اقدسؒ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اس کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد ہی خبر پہنچ گئی کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا دہلی میں انتقال ہو گیا ہے۔

اسی قسم کی کئی باتیں ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ ہیں۔جو کہ کسی کے طرف سے ساز دل چھیڑنے پر یاد آجاتی ہیں۔کبھی ملاقات ہوئی تو یہ باتیں ہونگی۔

آپ نے اپنی اہلیہ کی بیماری کے متعلق لکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عطاء فرمائے، اور جناب حسن کاظمی صاحب کو میری طرف سے سلام عرض کر دیں۔

والسلام۔ناکارہ، حبیب الرحمٰن

العجالة في مسئلة اللحية والسبالة

داڑھی کے متعلق شرعی فیصلہ

قسط (۱)

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوریؒ

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی:

بعد حمد وصلوٰۃ: اللہ اللہ زمانے کے شعبدوں نے مسلمانوں کو اسلام سے کس قدر غافل بلکہ بیگانہ بنا دیا ہے۔ نوجوان اور بوڑھے کیسے کچھ حیران نظر آتے ہیں، خدا ہی جانے کیا کیا وسوسے اور خطرات دلوں کو بہکاتے اور ستاتے ہیں۔ اگر چہ شکوک سے ایمان ڈگمگاتے ہیں، تاہم غنیمت ہے کہ عقیدۃً اور ادباً اسلام ہی کی خیر مناتے ہیں۔ حیف صد حیف کتاب مبین اور سنت نبی علیہ السلام کے ہوتے ہوئے یوں محروم رہیں۔ کہاں ہیں وہ صادقین جو صدق کی شمعیں لیکر گروہ کے گروہ ظلمات سے نکال لاتے اور حقیقت کی ترنگ میں ''سفل'' سے اٹھا کر ''علو'' تک پہنچا دیتے تھے۔ کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے، کہاں ہیں وہ اللہ پاک کے بندے؟۔

اللہ اکبر: حقیقت کے انوار کیا ہی جگمگا رہے ہیں، مگر آنکھیں چندھیائی اور نگاہیں ترمراتی ہیں، حیران اور مایوس کیوں ہوں، طالب حق کو اللہ جلّ شانہ خود امید دلاتا ہے۔ والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہمارے لیئے کوشش کرتے ہیں انہیں ہم ضرور اپنی راہیں یقیناً دکھاتے ہیں۔

اس کے علاوہ نبی علیہ السلام کی یہ شان اور یہ احسان کہ بالمؤمنین رؤف الرحیم، کہ آپ مؤمنوں پر نہایت درجہ مہربان اور شفیق ہیں۔ وائے برحال ما کہ اپنی غفلت اور پست ہمتی سے ہمیشہ ہمیشہ کو چشم رہیں۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

یورپ کے الحاد و زندقہ کی باد سموم ایسی چلی کہ مسلمانوں کے روشن دماغ بھی ماؤف ہوگئے۔ ہر کہ ومہ اس رو میں بہتا جا رہا ہے، بلکہ یورپین وضع وقطع، تہذیب وتمدن سے ایسے مرعوب ہوگئے کہ بلا تحقیق وتدقیق اور فلسفہ ودریافت کیئے بغیر ''آمنا وصدقنا'' کہہ اُٹھے۔ اور نبی کے اسوۂ حسنہ سے عار آنے لگی۔ بلکہ پیغمبر کی سنت پر عمل تو درکنا، پھبتیاں اُڑنے لگیں۔ داڑھیاں رکھنے والے سائن

بورڈ کے حامل کہلانے لگے۔ الغرض یورپین لباس و وضع پسند خاطر ہونے لگی، اور اسی میں عزت قومی سمجھی جانے لگی۔ ع۔

تن ہمہ داغ داغ شد ، پنبہ کُجا کُجا نِہم

انا للہ وانا الیہ راجعون

ذرا یورپین فاضلوں کے اقوال ہی ملاحظہ فرمایئے۔

مسٹر ایلٹ وار برٹن اپنی مشہور کتاب ''مشرق زریں میں چند ایام'' ترکوں کی موجودہ مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر لکھتے ہیں۔

> ترک اب مجبور ہو گئے ہیں کہ فرنگستانیوں کے طور طریقے اختیار کریں۔ لباس میں بھی یورپ والوں کی پیروی کریں، اور جنگ کا ڈھنگ بھی مغرب والوں ہی کی طرح ڈالیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نفرت و حقارت جو ترکوں کے دلوں میں یورپ والوں کی نسبت سمائی ہوئی تھی، اب خوف میں بدل گئی ہے، اور ترک یورپ والوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> انہوں (ترکوں) نے اس غور و تمکنت کو بھی ترک کر دیا ہے جو ان کے لیے ایک بڑا سہارا تھی۔ انہوں نے اپنی قومیت کے احساس کو بھی خیر آباد کہا، اور انہوں نے اس حرارت دینی اس جوش مذہبی کو بھی کھو دیا جسے بعض لوگ تعصب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ چیزیں تھیں جو ان کے جذبۂ حب الوطنی اور ان کے دین اور مذہب کو کچھ اس طرح ایک دوسرے میں حل کر دیتی تھیں کہ ایک حیرت انگیز تعشق ایک تعجب خیز ولولے کی سی کیفیت نظر آتی تھی۔

یہ عبارت اپنی تشریح آپ کر رہی ہے کہ ایک انگریز کی نظر میں مسلمانوں کا مغربی وضع اختیار کرنا کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک مغرب والوں کی پیروی کرنا ان سے مرعوب ہونا ہے، اور حرارت دینی اور جوش مذہبی کو کھونا ہے۔ اس کے نزدیک ایسا کرنا اپنی قومیت کے احساس کو خیر آباد کہنا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ مسلمان پستی کی طرف جبھی جا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے جذبۂ دینی کو چھوڑ دیا۔ میرے ینگ مین دوست دیکھ لیں کہ مغربی وضع کی حقیقت خود انگریزوں کی نظروں میں کیا ہے۔ یہی

فاضل انگریز اپنی اسی کتاب میں داڑھی کی نسبت لکھتا ہے۔

مسلمان اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ لوگ داڑھی مونچھیں منڈوائیں۔ میں ان کے اس جذبۂ حقارت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ جب چہرہ کو بارُعب اور شاہانہ آن بان والی داڑھی کی عادت ہو جاتی ہے، اور جب یہی چہرہ داڑھی مونچھ کی صفائی کے سبب اب قدرتی آرائشوں سے محروم کر دیا جاتا ہے تو یقیناً آدمی کم حیثیت اور سفلہ معلوم ہونے لگتا ہے۔

ہم اس عبارت سے مندجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں

(۱) مسلمان من حیث القوم داڑھی منڈوانے سے نفرت کرتے ہیں

(دیکھئے اس فاضل انگریز نے داڑھی تمام مسلمانوں کا امتیازی شان قرار دیا)

(۲) داڑھی سے چہرہ بارُعب رہتا ہے۔

(۳) داڑھی سے شاہانہ آن بان ہے۔

(۴) داڑھی ایک قدرتی آرائش اور زینت ہے۔

(۵) داڑھی منڈوانا سفلہ پن ہے۔

یہ ایک انگریز کا فتویٰ ہے۔ اب ہم خود اپنے آپ کو یورپین لوگوں کا حال ہی کا عمل دکھانا چاہتے ہیں۔

اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی ۲۴ر اپریل ۱۹۳۳ء صفحہ نمبر ا کالم نمبر ۴ میں ہے۔

انگلستان میں اس خبر سے سنسنی پھیلی ہوئی ہے کہ بعض نوجوانوں نے اپنی داڑھیاں بڑھانا شروع کر دی ہیں۔ ایک نوجوان جو داڑھی کا بڑا حامی ہے کہتا ہے کہ میں چند روز میں داڑھیوں کے معاملہ میں ماہر ہو جاؤں گا، میں نے چار داڑھیاں بڑھوائیں ہیں، پانچویں داڑھی میری ہے جو برابر ترقی کر رہی ہے۔ اخبار ''سنڈے ڈسپیچ'' میں آنریبل مینارڈ لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانے کے دلائل میرے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

(۱) داڑھی بڑھانے سے تمام لوگوں میں (خواہ کسی عمر کے ہوں) عزت ہوتی ہے۔

(۲) داڑھی کے باعث کوئی داڑھی والے کو فراموش نہیں کر سکتا، اور اس کا چہرہ شناخت کر لیا جاتا ہے۔

(۳) داڑھی بڑھانے سے ہر شخص اپنی قومیت تبدیل کر سکتا ہے اور ناشائستہ حالت سے

نجات حاصل کر سکتا ہے۔

(۴) روزانہ داڑھی درست کرنے سے انسان وحشت اور بربریت سے آزادی اور اطمینان کی طرف ترقی کر سکتا ہے۔

(۵) داڑھی رکھنے سے عورتوں کے پھندے سے نجات مل جاتی ہے۔

(٦) انگلستان کے باشندوں کے لئے داڑھی رکھنا نہایت مناسب ہے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ انگلستان اپنی عظمت کا دعویدار ہے۔

مینارڈ گر بوائل لکھتے ہیں کہ ''داڑھی والے اور بغیر داڑھی والے سے جو سلوک دنیا کرتی ہے اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، اگر میں بغیر داڑھی کے کسی ہوٹل چلا جاؤں تو مجھے نہایت خراب کمرہ ملے گا، اور ہوٹل والوں کا سلوک بھی اچھا نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف داڑھی والوں کا نہایت پُر تپاک خیر مقدم کیا جائے گا، اور ہوٹل کا سٹاف ان کی خدمت کے لئے وقف ہو جائے گا۔

مسلمانوں! دیکھئے انگریزوں کی تحقیقات اور پنی دین سے نفرت۔ فاعتبروایااولی الابصار

آیات قرآنی......رستہ ابراہیمی

واذابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمٰت فاتمھن (اول پارہ، سورۃ بقرہ، رکوع ۱۵)

ترجمہ: اوّل جب امتحان لیا ابراہیم کا پروردگار نے چند باتوں میں پس وہ ان کو پورے طور پر بجالائے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ حاشیہ موطاء میں فرماتے ہیں کہ دس چیزوں میں امتحان لیا گیا۔

(۱) قص اظفار، ناخن کٹوانا (۲) نتف الابط، بغلوں کے بالوں کی صفائی (۳) حلق یمانہ، موئے زیرناف (۴) استنشاق، ناک میں پانی ڈالنا (۵) مضمضہ، کلی کرنا (٦) استنجاء (۷) غسل الراجم، اعضاء دھونے یعنی جوڑوں کی جگہ دھونا (۸) مسواک (۹) قص الشارب، موچھیں کٹوانا (۱۰) اعفالحیہ، داڑھی بڑانا۔

(۲) واتبع ملة ابراھیم حنیفا، وما کان من المشرکین ۔ ترجمہ! اور پیروی کر ابرہیم علیہ السلام کی ملت کی جو کہ حنیف تھے اور مشرک نہ تھے۔

اس آیت سے حضرت ابرہیم کی اتباع کا حکم ہے، اور بصیغہ امر حکم دیا گیا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے تو اتباع ابراہیمی واجب ہوا۔

موطاء میں ہے:۔ وقد ورد الامر باتباع ابراھیم وان ھذہ الخصال امر بھا ابراھیم وکل شئ امر باتباعه ھو علی الوجوب ۔ ترجمہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کی نسبت حکم

دیا گیا ہے، اور خصال مذکورہ کا حکم ابراہیم کو ہوا، اور ہر وہ چیز کہ جس کے اتباع کی نسبت اللہ تعالیٰ حکم دے اس سے مراد وجوب ہوتا ہے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: وصح عن ابن عباسؓ ان الکلمٰت التی بھا ابراھیم فاتمھن ھی خصال الفطرة والابتلاء انما یقع بما یکون واجبا ۔ترجمہ ! حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح روایت ہے کہ جن کلمات کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش ہوئی، یہی خصال فطرت ہیں، اور آزمائش واجب چیز پر واقع ہوکرتی ہے۔ انتہیٰ۔

قرآن عزیز میں ہے: فطرة اللّٰہ التی فطرالناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ،ذالك الدّین القیم ۔(پارہ ۲۱ رسورۂ روم، رکوع ۳) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں: وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے جو، یہی ہے دین سیدھا۔ یعنی وہ خصال فطرت جس پر اللہ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا، مت بدلو یہی راہ سیدھی ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے:۔عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ عشر من الفطرة ،قص الشارب واعفاء اللحیه والسواك والاستنشاق وقص الاظفار وغسل الراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء یعنی الاستنجاء ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (یعنی دین کی باتیں)۔کم کرنا لبوں کا یعنی کترانا، اور بڑھانا داڑھی کا، اور مسواک کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا، ترشنا ناخنوں کا، اور دھونا جگہ جوڑوں کی، اور دور کرنا بال بغلوں کے، اور مونڈنے بال زیرناف۔ خازن صفحہ ۲۷ اج ۵ میں ہے وھذا فی المعالم صفحہ مذکورہ۔ وھذاقول ابن عباسؓ وجماعت من المفسرین ان المراد بالفطرة الدین،الخ۔

دین فطرت پر سچے دل سے چلنے والے کے لئے یہی ایک آیت اور مذکورہ حدیث کافی ہے جس سے صاف ثابت ہوا کہ مذکورہ خصائل فطرت کو چھوڑنا دین نہیں بلکہ بے دینی ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:۔واغرب القاضی ابوبکر بن العربی فقال عندی ان الخصائل المذکوره فی ھذالحدیث کلھا واجبة فان المرأ لوتر کھا لم تبق صورته علی صور الاوصیین فکیف من جماعة المسلمین۔ ترجمہ:۔قاضی ابوبکر نے ایک عجیب بات بیان کی، فرمایا کہ میرے نزدیک اس حدیث میں جتنی فضیلتیں مذکور ہیں سب واجب ہیں کیونکہ جو شخص ان کو چھوڑ بیٹھے اس کی صورت انسانوں کی صورتوں جیسی نہیں رہتی، تو پھر مسلمانوں جیسی اس کی صورت کہاں رہے گی، فافھم۔

قرآن عزیز میں ہے کہ شیطان نے کہا تھا ولآ مرنھم فلیغیرن خلق اللّٰہ (الآیۃ) یعنی میں انسانوں کو حکم دونگا اور سکھاؤں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق کو تبدیل کردیں گے۔ تفسیر حقانی میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہی کہ لوگ جینے کی امید سے ناک کان چھیدتے تھے اور عورتیں تزئین کے لئے بالوں اور دانتوں کو ریت کر باریک اور مہین کرتی تھیں، اس میں داڑھی منڈوانا بھی آ گیا (تفسیر حقانی صفحہ ۲۵۱۔ جلد ۳) ثابت ہوا کہ داڑھی منڈوانا خدا کی بنائی ہوئی شکل کو بگاڑنا ہے، یہی شیطانی کام ہے۔

داڑھی رکھنا متواترات دین اسلام اور بدیہات میں سے ہے، اس کا انکار بداہت کا انکار ہے، تواتر کا انکار ہے، تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات کا طریقہ مبارکہ ہے، سلف صالح صحابہؓ وتابعین داڑھی رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ریش مبارک رکھی اور اس کا بکرآت ومرّات حکم فرماتے رہے۔ علماء امت اس کا حکم فرماتے آئے ہیں، اس پر مستقل ابواب میں مفصل بحثیں فرماتے آئے، رسائل لکھتے آئے، محدثین اور فقہاء امت صوفیاء کرام غرض عوام وخواص سبھی اس طریقہ مسلوکہ فی الدین پر عمل درآمد کرتے آئے ہیں۔ اور یہ واضح امر ہے کہ داڑھی کا رکھنا تو اصل ہے جو داڑھی رکھتا ہے وہ تو اصل فطرت پر عامل ہے، جو لوگ داڑھی میں کتر بیونت کرتے ہیں، منڈواتے اور مقدار شرعی سے کم رکھ کر باقی کٹواتے ہیں وہ ایک زائد چیز کے مدعی ہیں، دلیل ان کو پیش کرنی چاہیے۔ کیا وہ پیش کرسکتے ہیں کہ قرآن مجید میں داڑھی منڈانا یا فرنچ فیشن کا حکم ہے۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے اس کا امر فرمایا ہے، کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حکم دیا یا اس پر عمل فرمایا، کیا ائمہ دین نے اس پر کوئی تقریری، عملی حکم نامہ پیش فرمایا؟۔

شفاء قاضی عیاض صفحہ ۳۹ میں ہے کہ رسول اللہ کی ریش مبارک اللحیہ تملاء الصدر۔ یعنی ریش مبارک بہت گھنی تھی، سینہ مبارک کو ڈھانپتی تھی۔ قرآن عزیز نے اطاعت رسول کو فرض قرار دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار وہ شخص ہے جو رسول اللہ کا فرمانبردار ہے۔ قرآن فرماتا ہے واقیموا الصلوۃ وا توا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (سورۂ نو، رکوع ۱۴، پارہ ۱۸) اے مسلمانو! تم نماز کی پابندی کرتے رہو، اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور میرے رسول برحق کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔ دیکھئے رسول برحق کی اطاعت اسی شان سے فرض ہے جیسے اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوۃ۔ ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدا فیہا (پ ۲۹، سورۂ جن) جس نے حکم عدولی کی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی، اس کے لئے نار جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ نعوذ باللّٰہ من ذالک۔

الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان رحمۃ اللہ علیہ

پہلی صدی ھجری کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ امت مسلمہ کے علی الاطلاق سب سے بڑے پیشواء اور سب سے ذہین وذکی مقتدا ہیں، جو اپنی مخصوص دقت نظری اور وسعت صدری اور غیر معمولی درایت ودریافت معانی متون احادیث اور تدبر وتفکر فی آیات اللہ اور مشغلہ درس وتدریس اور استخراج مسائل از کتاب و سنۃ کے ساتھ ورع، زہد، تقویٰ، طہارت، خوف وخشیت ،کرم نفسی، ایثار و قناعت، توکل وتحمل، صبر وتثبت، تسلیم ورضاء، صفات میں وقت کی اپنی نظیر آپ تھے۔ جن کے لئے اس امت کے کسی بھی صاحب شعور کو اختلاف نہیں۔ کان ابو حنیفة النعمان عالماً ،عابداً، زاهداً، اور عاتقیا کثیر الخشوع دائم التضرع اے الله تعالیٰ۔ بڑے بڑے ائمہ کی شہادتیں آپ کی جلالت شان کی خبر دے رہی ہیں۔ جعفر بن الربیع کا کہنا ہے میں نے پانچ سال امام صاحب کی خدمت میں گذارے، فما وجدت احداً اطول الصمت منه (تدبر وتفکر آیات اللہ میں) آپ سے زیادہ خاموش کسی کو نہیں پایا۔ امام المحدثین عبداللہ ابن مبارک نے اپنے اس شیخ کے متعلق امام الائمہ سفیان ثوریؒ کو بتلایا کہ ابو حنیفہ غیبتوں سے مسافتوں دور ہیں۔ کبھی کسی دشمن کی بھی غیبت اس سے نہیں سنی گئی، جس پر سفیان ثوریؒ نے فرمایا یہاں بھی ابو حنیفہؒ نے زیرکی اور ہوشمندی کو نہ چھوڑا، وہ نہیں چاہتے کہ اپنے اعمال صالحہ کسی دوسرے کے حوالے کریں۔ جبکہ بعض بے باک اہل قلم نے بسلسلہ اسانید آپ کے شایان شان الفاظ سے بخل کیا تو مغرب کے سب سے بڑے امام الحفاظ مالکی المذہب محدث ابن عبد البر نے ایسوں کو یوں متنبہ فرمایا، خدا سے ڈرو! امام کی شان گرامی کا لحاظ رکھو: والله مارأيت افضل واروع وافقه منه۔ اللہ کی قسم ان سے زیادہ فقیہ وفاضل اور پرہیزگار میری نظر سے نہیں گذرا۔

مذاہب اربع کے فضلاء اور حفاظ کی بکثرت مصنفات مناقب امام صاحبؒ سے پُر ہیں۔ امام صاحبؒ کا تثبت واستغناء وصبر واستقلال اور دنیاوی مناصب سے کنارہ کشی ایمان افزاء کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

خلیفہ مروان ابن محمد کے عہد خلافت میں عراق عرب وعجم کے مطلق العنان امیر یزید ابن عمر

بن ہبیرہ فزاری نے کوفہ کی قضاء کا فرمان آپ کو بھیجا، اس وقت یہ منصب قضاء بہت سے مناصبِ جلیلہ پر مشتمل تھا اور بڑے بڑے یگانۂ عصر کی اس کے لئے دوڑ دھوپ ہوتی تھی۔ اس آزاد منش بے طمع مردِ خدا امامؒ نے اس فمان کی قبولیت سے انکار فرما دیا جس کو ہم معنی مرگ مفاجات قرار دیا جاتا تھا۔ امیر مذکور کی نظر میں امام صاحبؒ کا یہ انکار و استغناء ایک غیر معمولی جرم قرار دیا گیا، جس پر ایک سو دس تازیانے (کوڑے) کی سزا بھگتنے کے بعد بھی قصہ ختم نہ ہوا۔ حکم دیا گیا کہ روزانہ تعمیل حکم تک دس تازیانے لگتے رہیں۔ چنانچہ تازیانے لگائے جاتے تھے پھر بھی آپ اپنے انکار پر بدستور قائم رہے۔ مدت کے بعد مجبوراً آپ کو رہا کیا گیا۔

امام احمد ابن حنبلؒ اپنی سزائے تازیانہ کے زمانہ میں یذکر ابا حنیفة ویبکی علیه ویترحم۔ امام ابوحنیفہ کو یاد کرتے تھے اور آپ کی تکلیف کے تصور سے روتے تھے اور آپ پر رحم کھاتے تھے۔ اس تازیانہ زدگی کے زمانہ سے سولہ، سترہ سال بعد ۶۶ سال کی ضعیفی میں ۱۴۶ھ میں خود خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے آپ کو پایۂ تخت بغداد میں طلب کر کے خلافت عظمیٰ کی قضاء کا منصب عظیم پیش کیا، آپ کے انکار پر رعب وجلال کے خلیفہ نے قسم کے ساتھ کہا کہ تم کو یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا، مگر اس نڈر خداترس امامؒ نے بھی بقسم جواب دیا کہ ہرگز میں یہ عہدہ قبول نہیں کرونگا۔ فوراً آپ قید کر دیئے گئے اور قید ہی میں چار سال گذار کر انتقال فرما گئے۔ پچاس ہزار فرزندان توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی، جس میں خود خلیفہ بھی موجود تھا۔ سلطان ملک شاہ سلوجوقی نے ۴۵۹ھ میں اپنے ایک شاہی معتمد ابوسعد محمد بن منصور خوارزمی شرف الملک کے ذریعہ آپ کی قبر کے ساتھ ایک شاندار مدرسہ حنفیہ قائم کیا۔ تاسیسی تقریب کے موقع پر ابو جعفر مسعود بیاضی مشہور شاعر نے اس رُباعی سے شرکاء جلسہ اعیان مملکت، علماء، فضلاء اور حکام کو محظوظ کیا۔ رُباعی میں سب سے زیادہ خوبی اصل حقیقت کا اظہار ہے اور سادہ طور سے وقعیت کی صحیح خبر۔ رباعی یہ ہے

الم تر ان العلم کان مبداد

فجمعه هذا المغیب فی اللحد

کذالك کانت هذه الارض میتة

فانشرها فعل العمید ابی سعد

(ابن خلجان)

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھا کہ اس سے پہلے علم منتشر تھا۔ اس لحد میں لیٹنے والے نے اس کو یکجا

کر دیا۔ یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی۔ ابو سعد کی ہمت نے (مدرسہ بنا کر) اس کو آباد کر دیا۔

ہماری مٹھی بھر الفاظ سے حضرت امام صاحبؒ کی شان بہت رفیع ہے۔

گوہر پاک تو از مدحت ما مستغنی است
فکر مشاطہ چہ باحسن خداداد کند

سلف علماء کرام پر ابتلائیں:

آج کے دور میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ان سزاؤں اور مشکلات کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ایسا شخص جو کہ اپنے ذاتی کاروبار اور بغیر کسی غرض کے دین کی خدمت کرنے والا ہونے کے باوجود اتنی مشکلات کا شکار رہا۔ تو اس پر رسول اللہ کی یہ حدیث یاد آتی ہے۔ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم امثلھم فامثلھم ۔لوگوں میں سب سے زیاد مشکلات انبیاء پر آتی ہیں پھر ان کے مثل پھر ان کے مثل۔

اس تلخ سنت کا جام ورثۃ الانبیاء اور احبار امت ہمیشہ خندہ پیشانی سے لبنا خالصا سائغا للشاربین سمجھتے ہوئے پیتے ہیں۔

ما را کہ دردِ عشق و بلاء خمار ہست
یا وصلِ دوست یا می صافی دوا کند

مگر اس دردِ عشق اور خمار بلاء والے ائمۂ دین پر کچھ بھی گذرا ہو اصحاب خرقہ کی بلاء سے ان کو تو صرف ایک حلاج (المقتول ۳۰۹ھ) کی خبر ہے جو اتنے سو سال گذرنے پر بھی آج تک بے چارے شریعت والے ان کے ہاں مطعون ہیں۔ ورثۃ الانبیاء علماء امت کے کندھے مقتضیات اسلام کی فکر میں آفات کے پہاڑوں نے کس طرح توڑے، یہ تو نہ ختم ہونے والی داستان ہے۔

صرف سلف الصالحین میں ان مظلوم ابتلاء زدگان اکابر علماء کے حالات دیکھیں جو ان کو اپنوں ہی سے ملے۔ ان میں کوئی غیر مسلم ظالم شامل نہیں۔

بزد رقیب تو روزے بسینہ ام تیرے
زبسکہ تیرِ غمت سینہ بے سپر دارد

بازار

اوریا مقبول جان

ایک ترقی یافتہ ،مہذب اور جمہوری ملک صرف انیس سو(۱۹۰۰) ایسی خواتین سے خوفزدہ ہے جو چہرے پر نقاب ڈال کر اس کے بازاروں میں نکلتی ہے۔فرانس کا یہ خوف اس قدر ہے کہ پوری پارلیمنٹ اس پر ایک طویل عرصے سے بحث کر رہی ہے۔پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کا یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ ایسی خواتین کی اصل تعداد گن کر بتاؤ جو چہرے کو چھپا کر بازار میں آتی ہیں۔بڑے بڑے شاپنگ مال کے کیمرے،جگہ جگہ نصب سیکورٹی کیمرے،حتی کہ ٹریفک کنٹرول کرنے والے کیمروں سے اعداد وشمار جمع کئے گئے تو یہ کل انیس سو نکلے ۔ یہ انیس سو کمزور، پردے میں لپٹی اور صرف اپنی ضروریات کے لئے گھروں سے نکلنے والی خواتین اس قدر خطرناک کیوں ہیں؟

پورے فرانس کے چھوٹے چھوٹے قصبوں تک جمع کر کے ان خواتین کو اگر پیرس کی شانزے لیزے پر جمع بھی کر دیا جائے تو یہ قابل ذکر تعداد نہیں بنتی۔لیکن پھر بھی پورے فرانس کا میڈیا اور سیاسی رہنما چیخ چیخ کر ان پر پابندی لگانے کو کہہ رہے ہیں۔یہ یورپ کا واحد ملک ہے جو اس نقاب، پردہ یا چہرہ کے ستر کا فرانسیسی ترجمہ نہیں کرتا بلکہ لفظ ''برقعہ'' استعمال کرتا ہے اور ساری بحث اگر چہ کہ فرانسیسی میں ہو ،سارا میڈیا کوئی بھی زبان بولے لیکن ان سب کی گفتگو میں لفظ برقعہ بار بار اپنے اصلی لہجے میں ادا کیا ہو مل جائے گا۔اور اب تو یہ لفظ عالمی میڈیا کی ہر بڑی زبان کا حصہ بن چکا ہے۔جس طرح آج سے دس سال پہلے حجاب جو مغربی میڈیا میں اجنبی تھا اب وہ ہر بڑی زبان کا جز ولاینفک ہے۔

کیا کبھی کسی نے سوچا ہے کہ یہ انیس سو خواتین جو برقعہ اوڑھ کر گھر سے نکلتی ہیں وہ کونسی دہشت گردی کی مہم کا آغاز کر رہی ہوتی ہیں۔وہ کونسی آزادیٔ نسواں، حقوق نسواں اور سیکولر طرز زندگی کو چیلنج کر رہی ہوتی

ہیں ۔وہ کن جمہوری اقدار کے لئے خطرہ ہیں ۔وہ تو بحثیت انسان اپنا مرضی سے لباس پہننے کا حق استعمال کررہی ہوتی ہیں۔ پھران کے اس طرح باہر نکلنے سے کسی کی دم پر پاؤں آتا ہےاورکون سے جو اس آغاز سے خوفزدہ ہے۔ نہ حجاب کل تک کوئی اخلاقی ،جمہوری اور مذہبی مسئلہ تھااور نہ برقعہ کسی ایسی جمہوری روایت کی راہ میں رکاوٹ ہے ۔صرف ایک لمحے کو گذشتہ ایک سو سال سے پھلتی پھولتی اور اربوں ڈالرکماتی فیشن انڈسٹری کوغور سے دیکھیں تو آپ کواس سارے غصےاورغیض وغضب کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔آپ کواندازہ ہوگا کہ ان کمزور،نحیف اورناتواں انیس سوخواتین نے کن بھیڑیوں کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت کی ہے۔

یہ بھیڑیئے پوری دنیامیں بہت معززاورمحترم ہیں۔پورا پرنٹ اورالیکٹرونک میڈیاان کاباج گذار ہے ۔یہ وہ لوگ ہیں جواقوام متحدہ کے خواتین کے حقوق کے چارٹرکی خلاف ورزی کرتے ہوئےعورت کے پاؤں کے ناخن سے لے کرسر کے بالوں تک ہرمقام کوبازار میں لے آئے ہیں لیکن حقوق نسواں کی کوئی تنظیم ان کے خلاف آواز بلند نہیں کرتی ۔یہ کئی سوارب ڈالرکی فیشن اورایڈورٹائزنگ انڈسٹری کے مالک ہیں۔ یہ پوری دنیا کی خواتین کواپنی انگلیوں کے اشارے پرنچاتے ہیں اوران کے جسموں کے تناسب کوبرسرعام نمائش پررکھ کراپنی دنیا بھرمیں پھیلی ملٹی نیشنل کمپنیوں کاپہیہ گھماتے ہیں۔1910ء میں انہوں نےفیشن شوزاور ماڈلنگ کے کاروبار کا آغاز کیا توانہوں نے خواتین کونعرہ دیا کہ انہیں نرم و گداز ہوناچاہئے۔لیکن صرف دس سال بعد جب 1920ءمیں اکثرملکوں میں عورت کوووٹ کاحق ملا رواسے ایک اور دوڑ دھوپ میں لگادیا گیا کہ اسے پرگوشت اورگداز نہیں بلکہ پتلی ،نرم اورنازک اور دھان پان کی طرح ہونا چاہئے اور پھراس پوری انڈسٹری نےعورتوں کوفاقے کرنے اوررات دن ورزش کرنے جیسے عذابوں میں پھنسادیا۔ٹھیک تیس سال بعد جب ان کی مرضی کے مطابق عورتوں نے خودان کے بنائے گئےفیشن کے معیارات کے مطابق ڈھال لیا تو بیچاری عورت جسے انہوں نے نمائش کی بھوکی بنادیا تھاایک بارپھران کے جال میں آگئی۔ یہ عرصہ صرف پندرہ سال کا تھا۔ادھرخواتین کے حقوق کی جدوجہد شروع ہوئی اورادھر1965ءمیں پوری فیشن انڈسٹری اورایڈورٹائزنگ نے خواتین

کو کمزور، نازک، کانچ کی بنی ہوئی اور دبلی پتلی ماڈلز کا تحفہ دیا اور پوری دنیا کی خواتین آج اسی خوف کے سائے میں پل رہی ہیں کہ کب ان کے جسم پر ایک پونڈ وزن زیادہ آجائے اور وہ خود کو فاقوں اور ورزشوں کی میں ڈال دیا۔ ہارورڈ یونیوسٹی کی ایک تحقیق کے مطابق جسے جوہان ہیری نے ریفرنس کے طور پر پیش کیا، بتایا کہ 80 فیصد خواتین اپنے جسمانی تناسب کی وجہ سے ناخوش ہیں اور یورپ اور امریکہ کی پانچ کروڑ خواتین ایسی ہیں جو ایک نفسیاتی مرض Anaroxia کا شکار ہوگئی ہیں۔ جس میں خود بخود بھوک مٹ جاتی ہے اور وزن خطرناک حد تک کم ہوجاتا ہے۔ امریکن سائیکلو جیکل ایسوسی ایشن کے مطابق ستر فیصد خواتین ایسی ہیں جو صرف تین منٹ تک کسی فیشن میگزین کو دیکھ لیں تو ان پر ڈپریشن طاری ہوجاتی ہے۔ یہ سب میڈیا کے زوردار ہتھیار سے کیا جاتا ہے اور وہاں اس بیچاری عورت کو سجا سنوار کر یوں کاروباری منڈیوں میں کھڑا کیا جاتا ہے کہ ہر کوئی اسے تہذیب اور آزادی کے نام پر داد دیتا ہے۔ اس انڈسٹری کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کا اندازہ اس سے لگایئے کہ امریکہ میں 1971ء تک ٹیلی ویژن پر ہر ہفتے 714 کمرشل آتے تھے یعنی ایک سال میں عام آدمی 37000 کمرشل دیکھتا تھا۔ جب کہ اب روزانہ ٹیلی ویژن پر دو ہزار کمرشل آتے ہیں یعنی ہر سال سات لاکھ تیس ہزار کمرشل اور ان میں نوے فیصد سے زیادہ عورتوں کی نمائش سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کمرشل میں عورتوں کے جسمانی اعضاء کو نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ مردوں میں ان کے چہروں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس جسمانی دہشت گردی کا صرف ایک نتیجہ جو ایلن کوین کی تحقیق سے لگائیں کہ جو مرد اس طرح کے جسمانی خطوط کے اشتہارات دیکھتے ہیں ان میں جنسی جرائم، خواتین پر تشدد اور جنسی زیادتی کے رجحانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ خود اس ساری فیشن انڈسٹری کا اندرونی حال یہ ہے کہ اگست 2009ء میں آنند جون کو 59 سال قید کی سزا سنائی گئی جس پر 16 سالہ ماڈلز اور ایک بچی کے ساتھ زیادتی ثابت ہوئی۔ وہ اپنے تمام کیریئر میں کئی سال مسلسل کمسن بچیوں کو ہوس کا نشانہ بناتا رہا۔ یہ وہ فیشن ڈیزائنر ہے جس کے کپڑے پیرس ہلٹن جیسی مشہور ماڈل بھی پہننے پر فخر کرتی تھی۔

میں یہاں ایسے ہزاروں کیس پیش کر سکتا ہوں لیکن یہ سب فیشن زدہ ماحول اور طرز زندگی ان جرائم سے

خوفزدہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ انہیں کاروباری اثرات کا نام دیتے ہیں۔ایسی وارداتوں اوراس طرح کے جنسی تلذذ سے تو انہیں اورتحریک ملتی ہے۔عورت بازار کی زینت بنتی ہے تو پھراس سے وابستہ اربوں ڈالرکی انڈسٹری کا جائزہ لیجئے جودن رات ترقی کرتی ہے۔

بالوں کورنگنے ،شیمپو، چہرے کے خدوخال ،جسم کے تناسب کے ملبوسات ہزاروں قسم کے میک اپ ،لاکھوں کی تعداد کے پرفیوم ، بیوٹی پارلراور جسمانی خوبصورتی کے مراکز ،لاکھوں کی تعداد میں پلاسٹک سرجن، جوتوں سے لے کرسراور بالوں تک قابل توجہ پہناوے، آنکھوں ، ہونٹوں اور گالوں کو پرکشش بنانے کے سامان ۔ یہ فہرست اتنی طویل ہے کہ ان کی تعداد پر جوفہرستیں مرتب ہوئیں ہیں وہ بھی کئی سو جلدوں میں ہیں۔ یہ کئی سوارب ڈالرکی انڈسٹری ہی نہیں اس کے پیچھے چھپی وہ ہوس بھی ہے جوعورت کو ہر پہلو سے بازار میں لاکرا پنے جذبوں کی تسکین چاہتی ہے۔

جہاں دولت اورجنس کی ہوس اکٹھی ہوجائے وہاں اسے للکارنے والا ایک شخص بھی زہر لگتا ہےاور یہاں 1900 عورتیں ہیں جو یہ اعلان کررہی ہیں کہ ہم نے تماشہ نہیں بننا،ہم نے بازار میں نہیں کھڑاہونا،ہم تمہارے اس لائف سٹائل پرلعنت بھیجتی ہیں۔

یہ کیسا منافق لائف سٹائل اورحقوق نسواں کا ایجنڈا ہے جوکچن میں کام کر کے تھکنے والی عورت کومظلوم کہتا ہےاورفیشن خبط میں فاقوں مرنے ، گھنٹوں ورزش کرنے اورمہینوں صرف جوس اور پانی پر زندگی گذارکر مردوں کے لئے تماشہ بننے والی عورت کوروشن خیال ،آزاد ،جمہوریت پسنداورمہذب قراردیتاہے۔

فرانس جس میں روزانہ مسلمان ہونے کی تعداد تین سے چار ہےاور جس کے بارے میں یہ اندازے ہیں کہ 2025ءتک یہ مسلم اکثریت کا ملک ہوگا ،وہاں یہ 1900 خواتین اس حرص وہوس کی منڈی میں ایک ایسا آغاز ہیں کہ اگراسے کچلا نہ گیا تو کل یہ سوال عام ہوسکتا ہے کہ اس سارے دھندے میں عورت ہی تماشہ کیوں بنتی ہے۔اسی کی عریانی کیوں بیچی جاتی ہے،اسے ہی بازار میں لاکر کیوں کھڑاکیا جاتاہے،آرٹ ،ادب ،فیشن اورآزادی کے نام پر۔

قیامت کی علامتیں

دعاؤں کا قبول نہ ہونا:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہیں نیکی کا حکم کرنا ہوگا ورنہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب نازل فرمائے۔ پھر تم اللہ سے اس عذاب کے ٹلنے کی دعائیں بھی کروگے تو قبول نہ ہونگی۔ (جامع ترمذی)

حلال وحرام کی تمیز کا اٹھ جانا:

حضرت ابو ہریرہؓ حضور کا ﷺ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایسا دور بھی آئے گا جس میں آدمی کو یہ پرواہ نہ ہوگی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے وہ حرام ہے یا حلال (بخاری)

مال کا فتنہ:

حضرت کعب بن عیاضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے، اور میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔

خواہشات پرستی:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگوں پر ایک دور آئیگا جس میں آدمی کا اہم مقصد شکم پروری بن جائے گا اور خواہش پرستی ان کا دین ہوگا۔

جاہل مفتی:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے سینے سے نکال دے بلکہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھاتا رہے گا یہاں تک کہ جب

کوئی عالم نہیں رہیگا تو لوگ جاہلوں کو پیشواء بنائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

مساجد پر فخر کا دور:

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں میں بھی (بیٹھ کر مساجد کے بارے میں) فخر کرنے لگیں گے۔ (ترمذی)

حجت بازی کی بہتات:

میرے امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں قاری بہت ہونگے مگر فقیہ کم، علم کا قحط ہو جائیگا اور فتنہ فساد کی کثرت۔ پھر اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں میری امت کے ایسے لوگ بھی قرآن پڑھیں گے جن کے حلق سے قرآن نہیں اُترے گا۔ پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آئیگا جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا مؤمن سے دعویٰ توحید میں حجت بازی کرے گا۔ (کنز العمال)

مردوں اور عورتوں کی آوارگی:

کاش میں جان لیتا کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا، جب ان کے مرد اکڑ کر چلا کریں گے۔ ان کی عورتیں (سر بازا) اتراتی پھریں گیں۔ اور کاش میں جان لیتا جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی۔ ایک تو وہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سینہ سپر ہونگے اور دوسری وہ جو غیر اللہ کی لئے سب کچھ کریں گے۔ (کنز العمال)

قرب قیامت اور رؤیت ہلال:

قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ چاند کو پہلے سے دیکھ لیا جائے گا اور (پہلی تاریخ کے چاند کو) کہا جائے گا کہ یہ تو دوسری تاریخ کا ہے اور مسجدوں کو گذرگاہ بنا لیا جائے گا اور ''ناگہانی موت'' عام ہو جائے گی۔ (جمع الفوائد)

دین کے لئے مشکلات:

نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہو جائیں گے، جیسے چھانٹی کے بعد ردّی کھجوریں یا جَو باقی رہ جاتے ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پرواہ نہیں کریگا۔

گلاسگو ’’سکاٹ لینڈ‘‘ برطانیہ سے ایک خط

’’گلاسگو‘‘ برطانیہ میں پنجگانہ نماز کا چارٹ کیسے تیار کیا گیا

حافظ غلام علی صاحب، امام مدنی مسجد، گلاسگو

پنجگانہ نماز کے اوقات گھڑی گھنٹوں، حساب کتاب، ماہرین فلکیات کے محتاج نہیں ہو سکتے۔ یہ جذبہ لے کر بذات خود مشاہدات شروع کیے۔ غالباً ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ اس سے پہلے پورے برطانیہ میں اکثر علماء کرام نے 12 ڈگری سورج زیر اُفق پر طلوع فجر کے وقت دے چارٹ مرتب کیے ہوئے تھے۔ جب مشاہدات ہوئے، تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ سو فیصد غلط ہے۔

احقر نے سب سے پہلے ایک چھوٹا سا ٹیبل تیار کیا، اس پر 90 پر میخ گارڈ کر نصف النہار کا وقت نکالا۔ پھر مثل اوّل پھر مثل ثانی۔ ثانی کے اوقات سایہ ناپ کر تقریباً دس ماہ کے مختلف ایام میں انڈیا، پاکستان یا عام اہل علم کی مدد سے سایہ ناپتے رہے اور تحریر میں لاتے رہے۔ دس ماہ کے بعد لنڈن آبزرویٹری سے رابطہ قائم کیا۔ ان سے نصف النہار مثل اوّل اور مثل ثانی کے اوقات منگوائے۔ موازنہ کیا تو اپنے مشاہدات کے ساتھ دو تین منٹ کے فرق کے ساتھ ٹھیک پایا۔ ہمارے اکثر حضرات ظہر کا وقت شروع عین نصف النہار پر کرتے ہیں۔ مشاہدے سے پتہ چلا کہ جتنی دیر سورج غروب ہونے میں لگتی ہے اتنی دیر تک سایہ بڑھتا نہیں بلکہ ٹھہرا رہتا ہے۔ اسی لئے تمام ماہرینِ فلکیات (مسلمان) فرماتے ہیں کہ عین نصف النہار سے عمومی طور پر پانچ منٹ کے پہلے اور پانچ منٹ بعد تک پڑھنا مکروہ ہے۔ پورے سکاٹ لینڈ میں ظہر کا شروع وقت اور عصر کا شروع وقت غلط تھا۔ بلکہ سردیوں میں بعض اوقات جمعہ کی جماعت یا انفرادی طور پر ظہر مثل ثانی کے بعد ادا کی جاتی تھی، جو سب کے نزدیک قضاء تصور کی جاتی ہے۔ اس کے بعد سورج غروب کا مشاہدہ ہوائی جہاز کا سفر و پہاڑی پر کھڑے ہو کر کرتے رہے۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ آبزرویٹری والے جو اوقات سورج غروب کا دیتے ہیں وہ شہر کے وسط میں کسی مقام سطح سمندر لیول کا دیتے ہیں۔ تو اس میں جو مقامات سطح سمندر سے جتنے بلند ہوتے ہیں ان کا

غروب تاخیر سے اور طلوع جلدی ہوتا ہے، لیکن یہ فرق طلوع فجر میں تب ہوتا ہے اگر کوئی مقام سطح سمندر سے دو ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہو۔

اس کی تائید کے لئے ڈاکٹر محمد الیاس ملائشیاء، ڈاکٹر عبداللطیف کراچی، امریکہ واشنگٹن اور برطانیہ کی آبزرویٹری سے اوقات منگوا کر اپنے مشاہدہ کے ساتھ موازنہ کر کے نماز مغرب کا وقت پورے شہر کی بلندی اور اطراف میں پھیلے ہوئے شہر کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا، پھر لیپ سال کی وجہ سے جو فرق آتا ہے اس کا چار سال کا نچوڑ نکال کر مغرب کا وقت ڈاکٹر ژلپ (سربراہ آبزرویٹری برطانیہ) کے مشورے سے بھی مدد لی گئی، اور ہمیشہ کے لیے مغرب کا وقت مرتب کر دیا گیا۔ اسی طرح ظہر کا اوّل وقت، عصر کا وقت، مغرب کا وقت کا تعین کیا گیا۔

طلوع فجر کب ہوتی ہے؟ احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جب رات کی تاریکی ہوتی ہے پھر سور جب ایک خاص مقام پر زیر اُفق پہنچتا ہے تو اپنی روشنی اُفق پر پھیلا کر سپیدی (سفیدی) اور تاریکی میں فرق ظاہر کرتا ہے۔ یہ نقطۂ آغاز سحری بند کرنے کا اور فجر کا وقت داخل ہونے کا ہے۔ اب اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے لازمی ہے کہ ایسی جگہ شہر کے قریب تلاش کی جائے جہاں سورج غروب ہونے تک نظر آئے، پھر وہیں کھڑے ہو کر شفق احمر کا غروب پھر شفق ابیض کا غروب دیکھا جائے۔ اس کے لیے مشاہدہ کرنے والے اور اُفق تک کوئی بجلی کی روشنی نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی کوئی رکاوٹ۔ حد نگاہ تک مطلع صاف ہو، ظاہر ہے اس ملک میں ایسا ہونا کافی مشکل ہے، لیکن جب کسی بات کی فکر انسان اوڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ حالات سازگار بنا دیتے ہیں۔ کم و بیش دو سال دیگر تجربہ کار حضرات کو ساتھ لے کر خصوصاً میاں اسحاق صاحب، میاں عبدالغفور صاحب انڈیا والے جنہوں نے حضرت جی مولانا الیاسؒ امیر و بانی تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگایا ہوا تھا، زمیندار تھے، شفق کی واقفیت رکھتے تھے نے بھی ساتھ دیا۔ بالآخر دو سال کے ذاتی مشاہدات طلوعِ فجر و غروب شفق ابیض کے اوقات کو ماہرین فلکیات مسلم و غیر مسلم کے اوقات سے موازنہ کیا تو قریب قریب پایا۔

سن ۱۹۸۳ء میں یہ بات واضح ہوگئی جب واشنگٹن و برطانیہ کی رسدگاہ سے رجوع کیا کہ جب

سورج 18 ڈگری زیرِ اُفق ہوتا ہے تو نقطۂ آغاز طلوع فجر کا وقت ہوتا ہے۔ نیز ہندوستان جبکہ پاکستان ،بنگلہ دیش نہ بنے تھے، پورے ملک میں، پورا سعودی عرب، ملائشیا، انڈونیشیاء، ودیگر اسلامی ممالک کے موجودہ ٹائم ٹیبل منگوائے تو تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ سب 18 ڈگری کے قریب وقت پر تیار کیے گئے ہیں۔

چند ایک حضرات نے عرصہ چالیس سال سے نئی تحقیق 15 ڈگری کے مطابق طلوع فجر کی پیش کی ہے، اور وہ بھی پاکستان کراچی سے شروع ہوئی، جس میں مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا نام پیش کیا ۔تحقیق سے پتہ چلا کہ مفتی صاحب مرحوم نے 15 ڈگری سے رجوع کیا اور فرمایا تھا کہ سحری 18 ڈگری کے مطابق ختم کی جائے۔ حوالہ کے لیے فتویٰ نمبر ۱۹۹۹/۲۷۔ دارلعلوم کراچی (۲) جناب جناب شبیر احمد کاکاخیل پاکستان (۳) مدرسہ رشیدیہ کے مولانا شہباز صاحب کراچی اور ان کے ذاتی حالیہ مشاہدات، ڈاکٹر پروفیسر عبداللطیف ماہر فلکیات کے مطابق فجر ۱۸/ڈگری پر ہوتی ہے۔

(۲) علامہ برجندیؒ کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ ان کی اصل تحریر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب موصوفؒ کا اپنا کوئی ذاتی مشاہدہ نہ تھا، کسی نامعلوم کا فقط قول لفظ ''قیل'' سے کیا ہے، جو اہل علم کے لیے بالکل معتبر نہیں۔

(۳) علامہ بدرالدّین عینیؒ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جب شرح عمدۃ القاری کا بغور مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ مرحوم بھی ۱۸/ڈگری کے ہی بارے میں فرماتے تھے، نیز شرح چغمینی کا مطالعہ کریں۔

(۴) ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ سحری طلوع آفتاب سیذرا دیر پہلے تک کھائی جانا بھی ثابت ہے۔ محدثین نے ان احادیث کا رَدّ کیا ہے کہ قرآن پاک کی آیت کے خلاف ہیں، نیز ثابت کیا ہے کہ راوی ابن کھیہ منکر و کذاب تھا۔ دوسرے راوی کے بارے میں بھی نقائص ثابت کیے ہیں۔ نیز چودہ سو سال میں کسی ایک نے بھی اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ ان دو حدیثوں کا رَدّ کیا ہے (ابن کثیر و معارف القرآن)

صحابہ کرامؓ کے زمانۂ مبارک میں ایک ہی وقت سحری بند ہوتی تھی اور وہ نقطۂ اوّل ہی تھا

،جب سفید دھاری آسمان پر ظاہر ہو جائے تو سحری بند کی جائے۔

(۵) بعض حضرات نے پورے سال میں چند دن مشاہدہ کر کے اُسی پر قیاس کر کے چارٹ مکمل کر دیا، جس میں کئی کئی ماہ مابین طلوع فجر اور طلوع آفتاب کا وقفہ ایک ہی رکھا، اور یہی طریقہ دوسرے شہر والوں نے بھی اپنا لیا، جو کم علمی ہی نہیں بلکہ خلاف فطرت اور خلاف عقل ہے۔ایک شہر کا مشاہدہ دوسرے شہر کے لیے قابل عمل نہیں ہوتا، البتہ ماہرین فلکیات بتاتے ہین کہ جب سورج فلاں ڈگری پر ہوگا تو اس وقت اس مخصوص شہر والوں کے لیے یہ وقت ہوگا۔ نیز مشاہدہ کے لیے اصول ہیں جو پہلے لکھ چکا ہوں۔

(۶) بعض لوگ انڈیا یا پاکستان کے وقفہ ڈیڑھ گھنٹہ مابین طلوع فجر وطلوع آفتاب کو ہی معیار بناتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں، یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ برطانیہ جو بلند عرض بلد پر ہے اس میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے۔حتیٰ کہ مئی، جون، جولائی، چند اگست کے سورج بعض شہروں میں زیر اُفق زیادہ نہیں جاتا، جس کی وجہ سے پوری رات اُفق پر روشنی رہتی ہے۔یعنی شفقین غروب نہیں ہوتیں، شرعی راتیں نہیں ہوتیں، اس کا مشاہدہ درجنوں لوگ کر چکے ہیں۔

انڈونیشیاء، ملائشیاء میں جون میں مابین طلوع آفتاب زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔جبکہ پاکستان راولپنڈی میں ایک گھنٹہ چوالیس منٹ ہوتا ہے، تو کیا وہ لوگ پاکستان آ کر ان کو کہیں گے کہ بھئی آپ اتنا وقفہ درمیان میں کیوں کرتے ہیں۔اسی طرح برطانیہ جو اپنے محلِ وقوع 56-5,N ہے ملائشیاء 0,6N ہے راولپنڈی 33-40 ہے۔تو جتنا بلند عرض بلد پر جائیں گے تفاوت بڑھتا جائے گا۔حتیٰ کہ ناروے 68N پر سورج کئی دن غروب ہی نہ ہوگا یا رات ہی رہے گی ۔یہ نظام قدرت ہے۔ملائشیاء ،انڈونیشیاء وغیرہ ممالک میں سال بھر دن کم وبیش برابر ہوتے ہین۔رات دن تقریباً ۱۲ر گھنٹے بلکہ سردیوں مین دن قدرے لمبے ہوتے ہیں۔پاکستان وغیرہ میں سردیوں وگرمیوں میں زیادہ سے زیاد تقریباً ساڑھے چار گھنٹے ، برطانیہ میں یہی فرق ساڑھے دس گھنٹے کا فرق پڑ جاتا ہے۔

(۷)بعض حضرات نے بالکل نیا طریقہ نکالا ہوا ہے۔کبھی 15 ڈگری کبھی 15 ڈگری کبھی 18 ڈگری کبھی سب سے ہٹ کر سحری کرنے کا چارٹ بنایا ہوا ہے۔حالانکہ قرآن وحدیث،تعامل صحابہ کرامؓ،عام امت مسلمہ کا عمل ایک ہی چلا آتا تھا،عرصہ چالیس سال سے یہ نئی بات نکل آئی ہے۔

الحمدللہ سب سے پہلے مدرسہ تعلیم الاسلام کے بانی ومہتمم جناب مولانا محمد اسلم مدظلہ نے اپنے مدرسہ سے مشاہدہ کے مطابق ودیگر عالم اسلامی ممالک کے مطابق پنجگانہ نماز کا چارٹ مرتب کر کے امت پر احسان فرمایا،نیز سایہ کی تحقیق نصف النہار مثل اوّل،مثل ثانی کے لئے بڑی قربانی دیتے رہے۔

دارالعلوم کراچی کے تمام علماء کرام مفتی حضرات خصوصاً سید حسین احمد صاحب،مفتی تقی عثمانی صاحب،مفتی رفیع عثمانی صاحب،مفتی محمد اشرف صاحب،مفتی عبدالرؤف صاحب،مفت عالمگیر صاحب،سب نے بھرپور مشاہدات سے اور کتابوں سے علم کے ذریعہ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ماہر فلکیات کراچی والوں نے سرپرستی فرمائی۔اللہ تعالیٰ تمام کو جزائے خیر عطاء فرمائے،نیز واشنگٹن اور برطانیہ کی رصدگاہوں نے بھرپور تعاون فرمایا۔دیگر حضرات جو شفقین کے مشاہدات میں شامل ہوئے ،سب کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطاء فرمائے،آمین۔

سب سے آخر میں جناب مولانا محمد یعقوب قاسمی صاحب جنہوں نے ۱۹۸۰ء میں امریکہ کے تبلیغی سفر میں محسوس کیا کہ برطانیہ کا ٹائم ٹیبل اصل سے بہت بہت بعید ہے۔پھر مشاہدات اور کتابی علم حاصل کر کے پورے ملک کے مسلمانوں پر احسان فرمایا،اور 18 ڈگری زیر اُفق سورج پر طلوع سحر کا آغاز فرما کر دیگر تمام بلاد اسلامیہ کے ساتھ اوقات فجر شروع کروایا۔جناب مولانا فراشوی صاحب مانچسٹر نے اس میں زندگی کا ایک حصہ لگایا اور دیگر علماء کے ساتھ افہام وتفہیم کے ساتھ امت کے بہت بڑے حلقہ کو 18 کے مطابق طلوع فجر پر قائل کیا۔برطانیہ میں ان دونوں بزرگوں کی محنت وکوشش کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کی قربانیوں کی قدر ذاتی نصیب فرمائے،آمین۔

احقر،غلام علی عفی عنہ ......خادم و امام مدنی مسجد ۔زیر سرپرست جمعیت اتحاد المسلمین۔گلاسگو۔

”خودکشی ایک عالمگیر مسئلہ“

انیلہ نور عباسی

دنیا میں خودکشیوں کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ کچھ محققین کے مطابق تقریباً چار ہزار سال پہلے ایک شخص نے مصر میں خودکشی کی تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تقریباً 3500 سال پہلے چین میں عورتوں کا اپنے شوہر کی موت پر خودکشی کرنا عام تھا، بعد میں یہ رسم انڈیا میں ”ستی“ کے نام سے شروع ہوئی۔

مذہبی حوالوں سے جائزہ لیا جائے تو بدھ مت میں خودکشی کو کچھ صورتوں میں جائز قرار دیا گیا، لیکن یہودیت میں خودکشی کو سختی سے روکا گیا، جبکہ بائبل کے مطابق اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ختم کرنا فطری قوانین کے خلاف ہے۔ ان مذاہب کے علاوہ اسلام بھی خودکشی کو حرام قرار دیتا ہے، یہودی تاریخ میں کئی ایسے واقعات موجود ہیں، جن میں فوج کے کچھ جوانوں نے دشمنوں کی قید کے بجائے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ قدیم یونانی اور رومن تہذیبوں میں خودکشی چار عوامل کی وجہ سے جائز تھی۔ ان میں سب سے پہلے عزت کا تحفظ، شدید جسمانی درد، کوئی بیماری، قومی ہتک کا خطرہ اور جذبہ حب الوطنی شامل تھے۔ ارسطو کے مطابق فرد ریاست کا حصہ ہوتا ہے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ ریاست کے خلاف قدم اٹھاتا ہے۔ افلاطون کے مطابق انسان خدا کا مجاہد ہے اور خودکشی کرنا خدائی قوانین کے خلاف ہے۔ مغربی مفکر آگسٹن کے مطابق خودکشی کرنا سیدھا قتل ہے، چاہے اپنے آپ کو کیا جائے یا کسی اور کو۔ تھامس اکیونس کے مطابق کسی شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی معاشرے سے اپنی موجودگی ختم کرے۔

سترہویں صدی میں خودکشی کے موضوع پر بحث زور پکڑنے لگی تو کچھ مفکرین نے اسے جائز قرار دے دیا، جبکہ زیادہ تعداد ان کی تھی، جنھوں نے خودکشی کی مخالفت کی اس سے اعلیٰ اور نچلے طبقوں میں خودکشیوں کا رجحان بڑھنے لگا۔ 1732ء میں رچرڈ ڈن نے اپنی دو بیٹیوں کو غربت کی وجہ سے قتل کر

دیا اور خود مرنے سے پہلے ایک تحریر لکھی، جس کا مفہوم یہ تھا ''آنے والا دور خودکشیوں کے عروج کا دور ہوگا''

کچھ ماہرین نفسیات اسے دماغی خرابی کا نام دینے لگے، اور پھر ایسی اموات پر تحقیق میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ خودکشی کو معاشرے اور نفسیاتی عوامل سے جوڑا جانے لگا۔ معاشرتی عوامل میں غربت، بے روزگاری،

شدید پریشانی، جنسی مسائل، اکیلا پن، ڈپریشن اور کاروباری نقصان، محبت گھریلو جھگڑے، خاندانی تنازعات،

اور تشدد نمایاں ہونے لگے۔ فرانسیسی طبیب جین اٹینے کے مطابق خودکشی بے ہوشی کی علامت ہے، لیکن بیماری نہیں۔ اٹلی کے ماہر نفسیات ہینری مورسیلی نے خودکشی پر ایک کتاب لکھی جس میں بتایا گیا کہ خودکشی بقا کے لئے کی جانے والی بے سمت جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ دماغ کا نظریہ پیش کرنے والے مشہور فلاسفر اور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ کے مطابق خودکشی صرف انسان کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ کا نتیجہ ہے۔ جاپانی محقق ہروکی میکمی کے مطابق جب انسان اپنے تعلقات حد سے زیادہ بڑھا لیتا ہے، تو پھر وہ تعلقات بے معنی ہونے لگتے ہیں، تعلقات کے ٹوٹنے کے عمل میں تیزی آتی ہے، جس سے انسان میں مایوسی پھیلنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ مایوسی انسان کو خودکشی کی راہ پر لے جاتی ہے۔ ماہر عمرانیات کراؤس نے اپنی تحقیق میں لکھا ہے کہ وہ ممالک جن کی ثقافت میں بے معنی تعلقات کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، وہاں پر خودکشیوں کی شرح بہت کم ہے۔ کراؤس کے مطابق اپنے آپ کو مارنے کا عمل اپنے اندر کسی تعلق کے ٹوٹنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ کراؤس نے اپنی تحقیق میں سعودی عرب، کویت، مصر اور ایران کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان ممالک میں خودکشیوں کی شرح کم ہونے کی پہلی وجہ مردوں اور عورتوں کے درمیان جنسی تعلقات میں کمی ہے، ایلس نے اپنی کتاب Sexual Inversion میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ لوگ ہم جنس پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں، ان میں خودکشی کرنے کا رجحان باقی لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ کینٹ فروم نے اپنی تحقیق Sexuality & Suicide میں لکھا ہے کہ مردانہ

خصوصیات سے محرومی اور ہم جنس پرستی کی وجہ سے خودکشیوں میں اضافہ ہوا ہے۔

امریکی ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے ایک محقق گبسن نے اپنی حالیہ تحقیق میں کہا ہے کہ ہم جنس پرستی کے عادی افراد میں خودکشی کی شرح 6 گناہ زیادہ ہے اور ہر دوسرا gay اور ہر تیسری lesbian زندگی میں چار بار خودکشی کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ جدید ماہرین نفسیات خودکشی کو نفسیاتی الجھاؤ سے نہیں جوڑتے، ان کے مطابق دماغی خرابی ہی خودکشی کا راستہ دکھاتی ہے۔ مشہور امریکی ڈاکٹر ایچ کے ایمرسن نے خودکشیوں کے حوالے سے ایک کتاب لکھی، جس میں ایسے کئی افراد کی زندگیوں کا ذکر ہے، جنہوں نے خودکشیاں کیں ایمرسن نے ان لوگوں کے بارے میں تحقیق کی اور کہا کہ خودکشی کرنے والے تمام لوگ دماغی طور پر ٹھیک نہیں تھے۔ ایمرسن نے اپنی کتاب میں لکھا کہ کچھ دماغی بیماریاں بہت پیچیدہ ہوتی ہیں۔ معاشرے میں

ان بیماریوں میں مبتلا افراد بظاہر دماغی طور پر نارمل دکھائی دیتے ہیں۔ بینجمن وولمن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، ''انسانی زندگی میں پایا جانے والا اجنبی پن، خاندانی تعلقات میں زوال اور انسان کا معاشرتی ہجوم میں اپنے آپ کو کھو دینا، اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی ابتدائی وجوہات ہو سکتی ہیں۔'' ڈبلن مشہور ماہر نفسیات ہیں، ان کے مطابق خودکشی صرف دماغی اور جذباتی خلل کا نتیجہ ہے۔ انسان میں جینے کی پیدائشی حس ہوتی ہے، مگر کئی بار شدید ذہنی دباؤ اس حس پر اپنا کنٹرول جما لیتا ہے اور انسان ایک ایسی حالت میں چلا جاتا ہے، جہاں زندگی اس کے لئے اپنی اہمیت کھو دیتی ہے۔ کئی ماہرین کے مطابق خودکشی ایک ذاتی فعل ہے، مگر بیرونی طاقت (جسے معاشرتی حالات کہا جا سکتا ہے) انسان کے کردار، شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ڈاکٹر وارن فیرل نے اپنی کتاب ''دی میتھ آف میل پاور'' میں لکھا ہے کہ مرد عورتوں کی نسبت اس لئے زیادہ خودکشی کرتے ہیں کہ مردوں نے زندگی میں ہارنے کے بجائے پانا سیکھا ہوتا ہے ان کے اندر برداشت کرنے کا مادہ کم ہوتا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں عورتیں زندگی میں چھوٹے چھوٹے ٹارگٹ رکھتی ہیں اور زیادہ چاہی جاتی ہیں۔ اس لئے ان میں خودکشی کی شرح کم ہے۔ 1969ء میں راوُل نیرول نے اپنے نظریے ''معاشرتی دباؤ'' میں کہا کہ ان ملکوں میں

خودکشی کی شرح میں مزید اضافہ ہوگا، جہاں معاشرہ کسی فرد کی پروا کئے بغیر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔'' 1990ء میں ہنگرین ماہر عمرانیات فرنک موسونی نے مختلف ملکوں میں خودکشی کی مختلف شرحوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''قوموں میں مختلف شرح صرف اس لئے ہے کہ ان کی آبادی ایک جیسی نہیں ہے ترقی یافتہ ممالک میں خودکشی کی شرح مردوں میں زیادہ ہے اور یہ وہ مرد ہیں جو عمر رسیدہ ہیں یا پھر طلاق یافتہ۔''

کچھ امریکی ماہرین اس نکتے پر بحث کرتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو زندگی میں کسی بڑے مسئلے کا سامنا ہوتا ہے مگر وہ خودکشی کر کے عام لوگوں کو سوچنے کے لئے بہت کچھ دے جاتے ہیں۔ ایلن مرسن جو نیو یارک ٹائمز کے بزنس ایڈیٹر تھے، انہوں نے امریکہ کی معیشت میں سب سے بڑا اسکینڈل لانچ کیا 200ء میں انہوں نے پندرہ منزلہ عمارت سے چھلانگ لگا کر لوگوں کے دلوں کی دھڑکن کم کردی تھی۔ سوسانہ میکارکل مقبول جاز گلوکارہ نے اپنی انیسویں البم ریلیز ہونے سے ایک دن پہلے ایک بڑی عمارت سے چھلانگ لگا دی تھی۔ یہ دونوں مثالیں ان لوگوں کی ہیں جو بظاہر کامیاب تھے، لیکن زندگی سے اکتائے ہوئے تھے۔ اس اکتاہٹ کی وجہ وہ ذہنی خرابی بیان کی جاتی ہے، جس پر تھوڑی قوت ارادی سے قابو پانا ممکن تھا۔

دین اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ بتایا گیا ہے۔ اسلام کے مطابق یہ زندگی خدا کی امانت ہے اور اس میں خیانت کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''خودکشی کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ کا نچلا حصہ ہے۔'' اس کے علاوہ قرآن مجید کی سورۃ النساء آیت نمبر 29 کا ترجمہ ہے: ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تم پر سب سے زیادہ مہربان ہے۔'' ان آیات میں صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی جان خود لے، کیونکہ اللہ خود انسان سے وعدہ کر رہا ہے کہ میں سب سے زیادہ مہربان ہوں۔ ایک اور جگہ سورۃ البقرہ آیت نمبر 195 کا ترجمہ ہے: ''اور اپنے آپ کو تباہی میں مت پھینکو۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ البقرہ آیات نمبر 155.56 میں واضح کر دیا ہے: ''اور یقیناً ہم تمہارے خوف، بھوک اور دولت کا

نقصان، جان اور فصل کے نقصان سے امتحان لیں گے، جب ان پر مصیبت نازل ہوئی تو وہ جو ثابت قدم رہے اور کہنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ہم بہت جلد اللہ طرف لوٹ جانے والے ہیں۔'' خود کشی ایک بڑی وجہ مایوسی ہے۔ جب انسان اپنی زندگی سے ماہوس ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس طرح کے انتہائی قدم اٹھاتا ہے، اسی لئے قرآن مجید کی سورۃ یوسف کی آیت نمبر 87 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔''خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔''

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق 2006ء میں مردوں میں آٹھویں اور عورتوں میں سولہویں موت کی وجہ خودکشی ہے۔ ہر چالیس سیکنڈ بعد ایک شخص خودکشی کرتا ہے، جب کہ ہر تین سیکنڈ بعد دنیا میں ایک انسان خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ ہر سال دس لاکھ لوگ خودکشی کرکے اپنے جانیں ضائع کر تے ہیں بی بی سی کے مطابق سال 2020ء تک دنیا میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد تقریبا پندرہ لاکھ ہو جائے گی۔ پچھلی دو دہائیوں میں خودکشی کی شرح میں 5 تا 65 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سب سے زیادہ نو جوان طبقہ اس بیماری میں مبتلا ہوا۔ دنیا میں ہونے والی تمام خودکشیوں میں تقریبا 30 فیصد چین اور انڈیا میں ہوتی ہیں۔ دنیا کے کئی مما لک کو خودکشی کی شرح کے اعتبار سے مختلف گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے گروپ میں لیتھوانیا سرفہرست ہے، جہاں پر خودکشی کی شرح 42 افراد فی لاکھ ہے۔ 6500 مربع کلو میٹر والی اس چھوٹی سی ریاست جس کی کل آبادی پینتیس لاکھ کے قریب ہے، وہاں ہر ہفتے 30 لوگ خود کشی کرتے ہیں۔ اس گروپ میں دوسرا نمبر روس کا ہے، جہاں پر خودکشی کی شرح 38 افراد فی لاکھ ہے اور سالانہ 60,000 لوگ موت کے لئے خودکشی کے راستے کا انتخاب

کرتے ہیں 1991ء میں یہ شرح 41 افراد فی لاکھ ہوگئی تھی، اسی گروپ میں یوکرائن، ہنگری اور قاز قستان بھی شامل ہیں۔ دوسرے گروپ کے مما لک میں جاپان میں سالانہ 30000 لوگ خودکشی کرتے ہیں، جاپانی معاشرے میں خودکشی کرنے کو ''ہاراکیری'' کہا جاتا ہے۔ ہاراکیری جاپانی آرٹس کا حصہ ہے اور کئی اسٹیج

ڈراموں میں ایسے مناظر ہوتے ہیں جس میں اس رسم کو اجاگر کیا جاتا ہے جاپان دنیا کا ایسا ملک ہے،

جہاں پر اجتماعی خودکشیوں کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ جاپان میں تقریبا 200 کے قریب ویب سا ئٹس ہیں، جو خودکشی کرنے کے مختلف طریقے بتاتی ہیں۔ ان ویب سائٹس پر لوگ ایک دوسرے کو تلاش کر کے اجتماعی خودکشی کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیتے ہیں۔ جاپانی ادب میں بھی خودکشیوں کا عکس دکھا ئی دیتا ہے اور کئی مصنفین نے اپنی کتابون میں خودکشی کو بہادری اور ہمت سے تعبیر کیا ہے۔ حال ہی میں جاپانی حکومت سے خودکشیوں کی شرح کم کرنے کے لئے ایک مہم ایک علان کیا ہے۔ مہم میں ایسے افراد کو نقد انعام دیا جائیگا، جو ان افراد کی نشاندہی کریں گے، جو زندگی کے خاتمے کے بارے میں سوچ بچار کر رہے ہیں۔ برطانیہ میں سالانہ 19000 افراد خودکشی کی کوشش کرتے ہیں۔ تیسرے گروپ کے مما لک میں انڈیا 14 افراد فی لاکھ، چین 13.8 افراد فی لاکھ، ڈنمارک 13.6 افراد فی لاکھ، جرمنی 12.7 افراد فی لاکھ، سوئیڈن 13.4 افراد فی لاکھ، آسٹریلیا 12.7 افراد لاکھ، امریکہ 12.6 افراد فی لاکھ اور کینیڈا میں 11.9 افراد فی لاکھ ہے۔

امریکہ میں سولہ منٹ بعد ایک مرد اور نوئے منٹ بعد ایک عورت خودکشی کرتی ہے جبکہ ہر 78 سکینڈ بعد ایک عورت خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں موت کی نویں بڑی وجہ خودکشی ہے اور سالانہ 32000 لوگ خودکشی کر کے اپنی زندگی موت کے حوالے کر رہے ہیں۔ خودکشی کرنے والو ں میں 75 فیصد ایسے افراد ہوتے ہیں، جو ڈرگس استعمال کرتے ہیں۔ امریکہ میں نابالغ بچوں میں خود کشی کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ 15 سے 24 سال کی عمر میں مرنے والوں کی چوتھی وجہ خودکشی بن چکی ہے۔ 1979ء سے لے کر 1999ء تک امریکہ میں 450,000 افراد کی ہلاکت ایڈز سے ہوئی جب کہ اس عرصے میں 600,000 افراد نے خودکشی کی۔ امریکی تحقیقی ادارے کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہونے والی خودکشیوں میں 70 فیصد کا تعلق ڈپریشن سے ہوتا ہے۔

بھارت میں سالانہ 115,000 افراد خودکشی کرتے ہیں۔ سرکاری ذرائع کے مطابق بھارت میں

خودکشی کی شرح 14 افراد فی لاکھ سالانہ ہے۔ خودکشی کرنے والے نوجوانوں میں زیادہ تعداد غربت اور

بے روزگاری کے مسائل کا شکار رہنے والوں کی ہے۔ عورتوں سے زیادتی اور ان پر ہونے والا تشدد خاص طور پر کم جہیز

لانے پر ہونے والے لڑائی جھگڑے خودکشیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھارت میں نفسیاتی امراض میں اضافہ بھی خودکشی کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ سماجی کارکن اینو مائی رامادوس کے مطابق پورے ملک میں سالانہ 1,50,0000 افراد کو دماغی چیک اپ اور ماہر نفسیات سے کنسلٹ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مگر ہمارے پاس صرف 3000 ماہر نفسیات ہیں، جبکہ ہماری ضرورت 32000 ماہرین نفسیات کی ہے۔ بھارت میں گزشتہ کئی سال سے کسانوں میں خودکشیاں کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔ 1997ء سے 2007ء کے دوران 24000 کسانوں نے خودکشیاں کیں۔ کسانوں میں خودکشی کرنے کی وجوہات میں قرضوں کا بوجھ اور فصلوں کی خراب پیداوار شامل ہے۔ تعداد کے اعتبار سے دنیا میں سب سے زیادہ خودکشیاں چین میں ہوتی ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے حالیہ اعداد و شمار کے مطابق چین میں سالانہ 287,000 افراد خودکشی کرتے ہیں۔ چین دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں عورتوں کی خودکشی کی شرح مردوں مقابلے میں زیادہ ہے۔ چین میں ہونے والی خودکشیوں میں 50 فیصد ڈپریشن، جبکہ 40 فیصد کا تعلق غربت سے ہے۔ مسلم ممالک میں سب سے زیادہ خودکشی انڈونیشیا میں ہوتی ہے۔ سالانہ 50,000 لوگ خودکشیاں کرتے ہیں۔ انڈونیشیا کے اخبار جکارتہ پوسٹ کے مطابق روزانہ 1500 افراد خودکشی کرتے ہیں، جن میں زیادہ تعداد ایسے افراد کی ہے جو غربت سے تنگ آچکے ہوتے ہیں۔

پاکستان میں پچھلے کئی سال سے خودکشیوں میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ 1990ء تک پاکستان

میں ہونے والی خودکشیوں کی تعداد صرف سالانہ سو کے قریب تھی اور 1999ء تک سالانہ چار سو کے قریب افراد خودکشی کر رہے تھے۔ 2000ء میں یہ تعداد 658 تک جا پہنچی، جن میں زیادہ تعداد ایسے افراد کی تھی جو دماغی طور پر نارمل نہیں تھے، مگر 2001ء میں حیران کن اضافے کے ساتھ یہ تعداد

2456 ہوگئی 2003ء میں 2575 افراد نے خودکشی کی، جن میں 1493 مرد، 805 عورتیں، 184 لڑکے، جبکہ 93 لڑکیاں تھیں۔ 2005 ء میں 3632 افراد نے خودکشی کی جن میں 1872 مرد، 1181 عورتیں، 375 لڑکے، 204

لڑکیاں تھیں۔ 2006ء میں 3901 افراد، 1913 مرد، 1307 عورتیں، 394 لڑکے، 287 لڑکیا ں

جبکہ سال 2007ء کے ابتدائی نو ماہ میں 4128 افراد نے خودکشی کی۔ پاکستان میں خودکشی کرنے والے مردوں کی عمریں 60 فیصد 17 سے 28 سال کے درمیان ہوتی ہیں۔ کل خودکشیوں میں 80 فیصد دیہات جبکہ 20 فیصد شہر میں ہوتی ہیں۔ پاکستان میں ہونے والی خودکشیوں میں صوبہ سندھ میں 68 فیصد جبکہ پنجاب میں 27 فیصد ہوتی ہیں۔ ان خودکشیوں میں 56 فیصد شادی شدہ جبکہ 40 فیصد غیر شادی شدہ اور باقی 4 فیصد میں طلاق یافتہ عورتیں اور خواجہ سرا شامل ہیں۔ خودکشی کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال ہوتے ہیں جن میں 35 فیصد زہر پی کر 30 فیصد زہریلی پیسٹی سائیڈ، 17 فیصد ٹرین تلے آ کر 15 فیصد کنویں میں چھلانگ لگا کر، جبکہ باقی طریقوں میں خود کو گولی مارنا وغیرہ شامل ہے۔

ماہرین نفسیات کے مطابق کچھ علامات ایسی ہیں، جن سے کسی بھی انسان کے خودکشی کی طرف رجحان کا پتا لگایا جاسکتا ہے۔ ان اہم علامات میں ہر وقت خودکشی کے بارے میں باتیں کرنا، موت یا مرنے کو اپنی گفتگو کا موضوع رکھنا، ہر بات پر شکوہ کرنا، اپنے آپ کو حقیر اور معاشرے پر بوجھ سمجھنا، سارا دن سوتے رہنا، ہر وقت اداس رہنا، کسی بھی چیز میں دلچسپی نہ لینا، رویے میں غیر مستقل مزاج ہونا، شدید پریشان رہنا۔ دماغ پر مسائل کا بوجھ رکھنا اپنی پروا چھوڑ دینا، کسی ڈرگ کا استعمال بڑھا دینا، لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دینا، ہر معاملے میں اپنے آپ پر نکتہ چینی کرنا، بلاوجہ روتے رہنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر شدید غصہ کرنا، اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنا، کسی بھی دردناک بیماری میں مبتلا ہونا، پڑھائی میں ناقص کارکردگی دکھانا، پرخطر اور ناقابل یقین کارنامے سرانجام دینا، گاڑی انتہائی تیز رفتاری سے چلانا، گھریلو لڑائی میں اپنے آپ کو الجھائے رکھنا، غیر ضروری خطرات کی طرف متوجہ ہونا، اپنے حلیے پر توجہ نہ دینا، بامعنی قربت کی کمی، غیر معمولی خاندانی دباؤ، اپنی شناخت کا کھو جانا وغیرہ شامل ہیں۔ خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان ترقی یافتہ ممالک اور مہذب معاشروں کے لئے بڑا چیلنج اور لمحہ فکریہ ہے۔

سگریٹ نوشی یعنی موت کی طرف پیش قدمی

مولانا حذیفہ وستانوی

اللہ رب العزت نے انسان کو عقل عطا کی تاکہ وہ اپنے نفع و نقصان میں تمیز کر سکے، نفع بخش وسائل و ذرائع کو استعمال میں لائے اور ضرر رساں و نقصان دہ ذرائع سے اجتناب کرے؛ مگر آج کا انسان عجیب ذہنیت کا شکار ہو چکا ہے، کیا پتہ اس کی عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ اور اس کی قوت تدبر و تفکر پر کیسا زنگ چڑھا ہوا ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں، مذہب سے لے کر تفریح تک، ہر شعبہ حیات میں اندھا دھن بھیڑ کی طرح مغرب کی پیروی میں لگا ہوا ہے۔ حالاں کہ مغرب نے سوائے چند مادی فوائد کے کوئی روحانی فائدہ انسان کو نہیں دیا بل کہ مغرب کے مظالم اور انسان سوز سازشوں کے مقابلے میں وہ فوائد بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

خلاصہ یہ کہ مغرب کی پیروی سوائے **خسر الدنیا و الآخرة** یعنی دنیوی و اخروی خسارے اور گھاٹے کے کچھ نہیں۔

مغرب نے مخلوق کو خالق سے جدا کیا، عابد کو معبود سے توڑا، روحانیت کا انکار کیا، مذہب کو پسِ پشت ڈال دیا، اور ایک سازش اور ماسٹر پلان کے ذریعے محض اپنے مادی فوائد کے خاطر ساری انسانیت کو ذہنی و فکری اور ہر طرح کی غلامی کے شکنجے میں جکڑ کر رکھ دیا، جس کی تفصیل مقصود نہیں، منجملہ سنن شنیعہ کے، مغرب نے انسان کو سگریٹ نوشی جیسی مہلک عادت سے بھی دوچار کیا، یہاں جدید تحقیقات کی روشنی میں اسی کے نقصانات اور مہلک اثرات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

میں سگریٹ نوشی، بیڑی نوشی، تمباکو اور گٹکھا کھانے والوں کو لجاجت کے ساتھ

درخواست کروں گا کہ وہ ذیل میں دی جارہی ہے تحقیقات کو دل سے پڑھیں اور عزم مصمم کریں، انشاءاللہ ہر حالت میں ہم اپنی اس بری عادت سے دست بردار ہو جائیں گے، اور دنیوی واخروی خسارے سے نجات حاصل کریں گے۔

سگریٹ نوشی کی تاریخ:

۱۴۹۲ء میں کوسٹفر کولمبس ''نئی دنیا کی دریافت'' کے لیے تین جہازوں میں اپنے رفقاء کو سوار کر کے نکلا تو سمندری سفر کے دوران برودت کی شدت میں خفت پیدا کرنے کے لیے انھوں نے سگریٹ اور بیڑی نوشی کا آغاز کیا، اس سے پہلے ایسی کوئی چیز متعارف نہیں تھی، مگر اس میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہی اور اب مارکیٹ میں طرح طرح کی سگریٹ متعارف ہوگئی ہے؛ پھر جب انگریز سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں دنیا کے دیگر خطوں پر چھا گئے تو اس ''وبا'' کو بھی ساتھ لے گئے اور اس طرح دنیا کے دیگر خطوں میں بھی یہ عام ہوگئی۔

سگریٹ کے متعدی نقصانات:

کویت سے شائع ہونے والا مجلّہ ''التقدم العلمی'' کے بیان کے مطابق دنیا کے مختلف تحقیقی اداروں نے سگریٹ پر تحقیقات کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ سگریٹ اور بیڑی میں ۴۷۰۰ رزہریلے اجزاء پائے جاتے ہیں، جس سے صرف سگریٹ اور بیڑی پینے والے ہی کو نقصان نہیں ہوتا، بل کہ اس کے اطراف میں موجود لوگوں کو بھی شدید نقصان ہوتا ہے، بل کہ سگریٹ بیڑی کے دھوئیں جہاں تک پہنچتے ہیں وہاں تک سب کو نقصان پہنچاتے ہیں، خاص طور پر حاملہ کے پیٹ میں موجود جنین کے لیے تو انتہائی خطرناک ہوتے ہیں، بل کہ بعض سگریٹ کے دھوؤں سے تو حمل بھی گر جاتا ہے۔ بعض مرتبہ جنین مر بھی جاتا ہے، یا اس کا وزن کم ہو جاتا ہے، یا بگڑی ہوئی صورت وہیئت والا بچہ پیدا ہوتا ہے، یا جنین مہلک بیماریوں کا شکار ہو کر پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال جنین اور صغار یعنی دودھ پیتے بچے اور کم عمر بچوں پر تو اس کے اثرات انتہائی ہلاکت خیز ہوتے ہیں۔ (التقدم العلمی، عدد ۶۸، فروری ۲۰۱۰ء)

سگریٹ نوشی سے پیدا ہونے والے امراض:

گجراتی اخبار ''سندیش'' کے بیان کے مطابق سگریٹ اور بیڑی کے ایک کش کے ساتھ دس لاکھ بیکٹر یا بدن میں داخل ہوجاتے ہیں اور انسان کے پھیپھڑے، غذا کی نالی، انتڑیوں پر قابض ہوجاتے ہیں، اور اس پر مہلک اثرات ڈالنا شروع کر دیتے ہیں اور عام طور پر تمباکو میں پائے جانے والے زہریلی مادے کی وجہ سے کینسر کا مرض لاحق ہوتا ہے، صرف کینسر ہی نہیں بل کہ خون کی کئی بیماریاں بھی اس سے جنم لیتی ہیں۔ اسی طرح اَلسر، دمہ، ایسی ڈی ٹی، پیٹ کی بیماری بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیڑی سگریٹ وغیرہ پینا گویا اپنے آپ کو موت کے طرف لے جانا ہے، یا کم از کم بیماریوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

(سندیش: ص ۷، تاریخ ۲۵/۰۱/۱۰ء)

التقدم العلمی نے عالمی ادارہ صحت .W.H.O کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ دنیا میں ہر سال کم از کم چالیس لاکھ افراد محض سگریٹ نوشی اور بیڑی نوشی سے موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ اگر اب بھی دنیا کی حکومتیں سگریٹ اور بیڑی نوشی وغیرہ کے خلاف شدید اقدام نہیں کرتی ہے تو آئندہ سالانہ ایک کروڑ سے زائد لوگ اس کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔

سگریٹ، بیڑی، تمباکو وغیرہ، نام ہے ''مجمع الامراض'' کا، اس سے پورے معاشرے کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، اور معاشرہ بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق مرد اور عورت کی قوت جنسیہ بھی اس سے متاثر ہوتی ہے، انسان کا جمال اور خوبصورتی بھی تیزی سے ختم ہوجاتی ہے اور بدن کی ہڈیاں کمزور ہوجاتی ہیں۔

دنیا کی بڑی بڑی لیبرٹریوں نے تحقیقات و تجربات کے بعد واضح کیا ہے کہ سگریٹ وغیرہ میں جو

4700/مہلک اجزا پائے جاتے ہیں اس میں سے 43/ اجزاء ایسے ہیں جو سو فیصد کینسر کا سبب بنتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۲) نیکوٹین: اس سے دم کی بیماری دماغ اور قلب میں ضعف طاری ہوتا ہے۔

(۲) اکسید کربون: جو انتہائی مفاسد کا حامل ہوتا ہے۔

(۳) زرنیخ: جو حشرات الارض کیڑے مکوڑوں کو مارنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۴) کادمیون: زہر آلود ہوتا ہے جو عام طور پر بیڑیوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵) فوزمالوہید: مردہ لاشوں کو تعفن سے بچانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۶) D.D.T: کیڑے مار دوا۔

(۷) امونیا: زمین اور فرش اور ٹائلس وغیرہ صاف کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

(۸) استیون: ناخون پالس ختم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۹) تولوین: فیکٹریوں میں مشین کی صفائی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱۰) میٹاتول: پٹاخوں میں استعمال کیا جاتا۔

سیائید ھیڈروجن: انتہائی زہریلہ مادہ ہوتا ہے۔ (التقدم العلمی)

یہ ہے سگریٹ نوشی وغیرہ کے نقصانات، کیا ایک عقلمند اور ذی ہوش اس کے بعد بھی ہوش میں نہیں آئے گا!! اتنے نقصانات کے بعد بھی اگر سگریٹ نوشی وغیرہ کو کوئی ترک نہیں کرتا تو اس سے زیادہ کم عقل کوئی نہیں۔

جب اسے علم ہوگیا کہ یہ چیز سوائے خطرے اور نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتی تو ایسا ہی ہوگیا جیسے کسی کو کہا جائے کہ آگے مت جانا پورا جنگل شیروں اور پھاڑ کھانے والے جانوروں سے بھرا ہوا ہے مگر پھر بھی چلتا رہے یہاں تک کہ وہ کسی جانور کا شکار بن جائے اور موت کا پروانہ حاصل کرلے، کیا ایسے آدمی کو کوئی عقل مند کہے گا؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

اللہ سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور بری عادتوں کو چھوڑنا آسان کردے۔

حضرت ابوبکرؓ اور جمع قرآنِ حکیم

دنیا میں کون مسلمان ہے جس کو یہ نہیں معلوم کہ قرآن اسلامی تعلیم کا اصلی سر چشمہ باغ اسلام کا حقیقی گلدستہ اور مذہب محمدی ﷺ کا اصل الاصول ہے کسی کلمہ گو کا یہ اعتقاد نہیں کہ قرآن دین وایمان کی بنیاد اور جڑ ہے؟ اور کون اس سے بے خبر ہے ہم اہل اسلام کے نزدیک قرآن کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ قابل عمل اور لائق تقلید ہے اس کے ہر حکم کے آگے دنیا کے تمام احکام منسوخ اس کی ہر دلیل کے سامنے عالم کے اور بیکار۔ اللہ اللہ جس کتاب کی وقعت اور قدر مسلمانوں کے دلوں میں ہو۔ پھر کون مسلمان اس کی امکانی خدمت سے دریغ کر سکتا ہے؟ نہ کہ صحابہ کرامؓ کہ جو درحقیقت قرآن حکیم کے مخاطب اول اور دنیا میں اس کے امین وپاسبان تھے یوں تو صحابہ کرامؓ نے قرآن کی جس قدر خدمت کی اس کی شہادت کے لئے آج تاریخ کے صفحات کافی وشافی ہیں لیکن ان کی سب سے اہم اور نہایت عظیم الشان خدمت میں سے ترتیب قرآن اور اس کی نشر واشاعت ہے۔ کہ جس نے ان کو دنیا کے تمام دیگر اولوالعزم پیغمبروں کے اصحاب پر امتیاز وتفوق کے درجہ پر فائز کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب کو اپنے آخری نبی اپر نازل فرما چکا ہے۔ حضور ﷺ اس دنیائے فانی سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ قرآن ایسی مقدس اور اہم کتاب لکڑیوں کے تختوں پر اونٹوں کی ہڈیوں پر کھجور کے پتوں پر منتشر ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے کچھ لوگوں کو کچھ سورتیں کسی کو ربع قرآن کسی کو نصف اور کسی کو اس سے زائد یاد ہے اور بعض ایسے خوش قسمت بزرگ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں کل کا کل قرآن پاک حفظ کر کے آپ کو سنا چکے ہیں۔ ان میں سے حضرت زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جیسا کہ خود بخاری شریف میں عمرو بن العاصؓ کے واسطہ سے روایت موجود ہے وہ یہ کہ:

خذوالقرآن من اربعة من عبداللہ بن مسعودؓ و سالمؓ و معاذؓ ابی بن کعبؓ۔

(بخاری جلد نمبر ۲ باب القراء من اصحاب النبی ﷺ)

یعنی چار حضرات سے قرآن سیکھو۔ عبداللہ بن مسعودؓ معاذؓ وسالمؓ اور ابیؓ سے۔

یہ سب کچھ تھا لیکن قرآن پاک کا کوئی مجموعہ ایسا مرتب نہ ہو سکا تھا جس سے ہر خاص وعام ہر وقت فائدہ حاصل کر سکتا اور نہ کوئی اس میں خاص نظم وترتیب تھی کہ جس سے پڑھنے میں سہولت ہوتی۔

خطابی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا خیال تھا اس لئے آنحضرت انے اپنی زندگی میں اس کو مرتب نہیں کرایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام فضیلتوں

سے سرفراز فرمایا تھا وہاں ایک جمع قرآن کی بھی فضیلت تھی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

اعظم الناس فی المصاحف اجرًا ابوبکر رحمتہ اللہ علی ابی بکر ھو اوّل من جمع کتاب اللہ.

مصاحف میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ابوبکرؓ ہیں اللہ ان پر رحمت نازل کرے وہ اللہ کی کتاب کے سب سے پہلے جمع کرنے والے ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ سر برآرائے خلافت ہوئے تو یمامہ کی ایک بہت بڑی مہم پیش آئی۔ آپ نے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کو اس مہم کے سر کرنے کے لئے روانہ فرمایا جو ستر حفاظ قرآن اور دیگر کبار صحابہؓ پر مشتمل تھی۔ سو اتفاق وہ سب حفاظ قرآن شہید ہو گئے تب حضرت عمرؓ کو قرآن پاک کے تدون کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ وہ خلیفۂ وقت سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر لڑائیوں میں اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہو گئے۔ تو قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع و ترتیب کا حکم صادر فرما دیجئے۔ چونکہ یہ ایسا کام تھا کہ رسول اللہ نے اپنے عہد مبارک میں کرایا نہ تھا اس لئے پہلے پہل انہوں نے اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی لیکن بالآخر حضرت عمرؓ کے اصرار سے وہ اس پر راضی ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو جو عہد نبوی کے ممتاز کاتب وحی تھے اور ان کو یہ فخر حاصل تھا کہ آپ کی حیات مبارکہ ہی میں انہوں نے پورے قرآن کو ایک سے زائد بار سنا دیا تھا۔ طلب فرمایا اور اس اہم خدمت کو ان کے سپرد کرنا چاہا۔ اولاً انہوں نے بھی شدت سے انکار کیا۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ کی طرح ان کو بھی شرح صدر ہو گیا انہوں نے اس ایمان و ہدایت کے زریں ٹکڑوں کو ایک کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا۔ کہ صرف وہ آیتیں و سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خذیمہ انصاریؓ نے سورۂ براءۃ کی آخری آیتوں کو پیش کیا تو آپ نے ان کے لکھنے میں تامل کیا۔

اس اہم کام کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ و زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں۔ اور جو لوگ قرآن کی آیات پیش کریں ان سے بغیر دو گواہ لئے ہوئے قبول نہ کریں۔

اس حکم پر اس قدر شدت سے عمل کیا گیا کہ ایک بزرگ نے آیت رجم پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اس کو نہ لکھا کیونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا۔

غرض اس احتیاط اور اہتمام سے یہ صحیفہ لوگوں کے سینوں سے لکڑیوں اور کھجور کی چھالوں سے جمع کیا گیا جیسا کہ خود حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے قرآن کی جستجو کی اور کھجور کی چال لکڑیوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا۔ (بخاری جلد ۲)

مسلمانوں! ہوشیار رہو، اپنا ایمان بچاؤ

کچھ عرصہ سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ناسمجھ افراد یورپی ممالک میں جا کر سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کر کے وہاں کے محکموں میں بیان حلفی داخل کراتے ہیں۔اس کے پیچھے قادیانی لابی متحرک ہے۔اس پر ہمیں کئی دفع لوگوں نے سوالات بھیجے ہیں

(۱)۔کیا ایسا شخص مسلمان رہ جاتا ہے؟

(۲)۔کیا ایسے شخص کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے؟

(۳) اگر ایسا شخص پہلے سے شادی شدہ ہے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نہیں، وہ اب کیا کرے؟

(۴)۔کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟

جواب

(۱)۔امت مسلمہ اور پاکستان اسمبلی کے متفقہ فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ان پر وہی احکام لاگو ہوتے ہیں جو کہ دوسرے تمام غیر مسلم لوگوں پر ہوتے ہیں۔لہذا اگر کوئی شخص جناب محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غیر کے سامنے قادیانی ظاہر کرتا ہے تو ایک طرح سے علی الاعلان وہ عقیدہ ختم نبوت کا منکر ہے، وہ شخص نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ مرتد بھی ہے۔

(۲)۔کسی بھی غیر مسلم اور خصوصاً مرتد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص شادی کے بعد قادیانی ہو گیا تو اس کی بیوی کا نکاح بروئے شریعت باقی نہیں رہا۔وہ عورت اس مرتد سے طلاق لیے بغیر عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔

(۴) ایسے شخص کی توبہ عام طریقہ سے قبول نہیں۔اس کی توبہ صرف اس شکل میں قبول ہو سکتی ہے کہ وہ اسی محکمہ میں جائے جس میں اس نے پہلے اپنے آپ کو قادیانی بنا کر پیش کیا تھا۔یہ کہے کہ میں نے آپ کے محکمے سے یہ جھوٹ بولا تھا کہ میں قادیانی ہوں۔اب میں وضاحت کرتا ہوں کہ میں قادیانی نہیں ہو۔اس کے بعد وہ توبہ کرے۔اس کے بغیر توبہ قبول نہیں۔کیونکہ قادیانی ہر سال اسی قسم کے محکموں سے لوگوں کے قادیانی ہونے کی تصدیق کروا کر دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں کہ دیکھو اس سال اتنے لوگ قادیانی ہو گئے ہیں۔

منجانب۔ ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد
مولانا حاجی اکرم شاد ، نیویارک (امریکہ)

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN

JAMIA MILLIA ISLAMIA

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8502213